INSPIRATION.

اِلہام

مصنّفہ

پادری ڈبلیو۔ ایچ۔ ٹی۔ گیرڈنر صاحب بی۔ اے

جس کو

باجازت کرسچن لٹریچر سوسائٹی آف انڈیا

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی

انارکلی لاہور نے شائع کیا

سنہ ۱۹۲۷ء

بار اول ۱۰۰۰ قیمت ۲ر

P. R. B. S., LAHORE.

Approved by the C. L. M. C. and published with the aid of the A. C. L. S. M.

By kind permission of the C. L. S., Madras.

الہام

ایک مکالمہ

از

پادری کینن ڈبلیو ایچ. ٹی. گیرڈنر صاحب بی. اے

۱۹۲۷ء

وہ اشخاص جنہوں نے مکالمہ میں حصّہ لیا
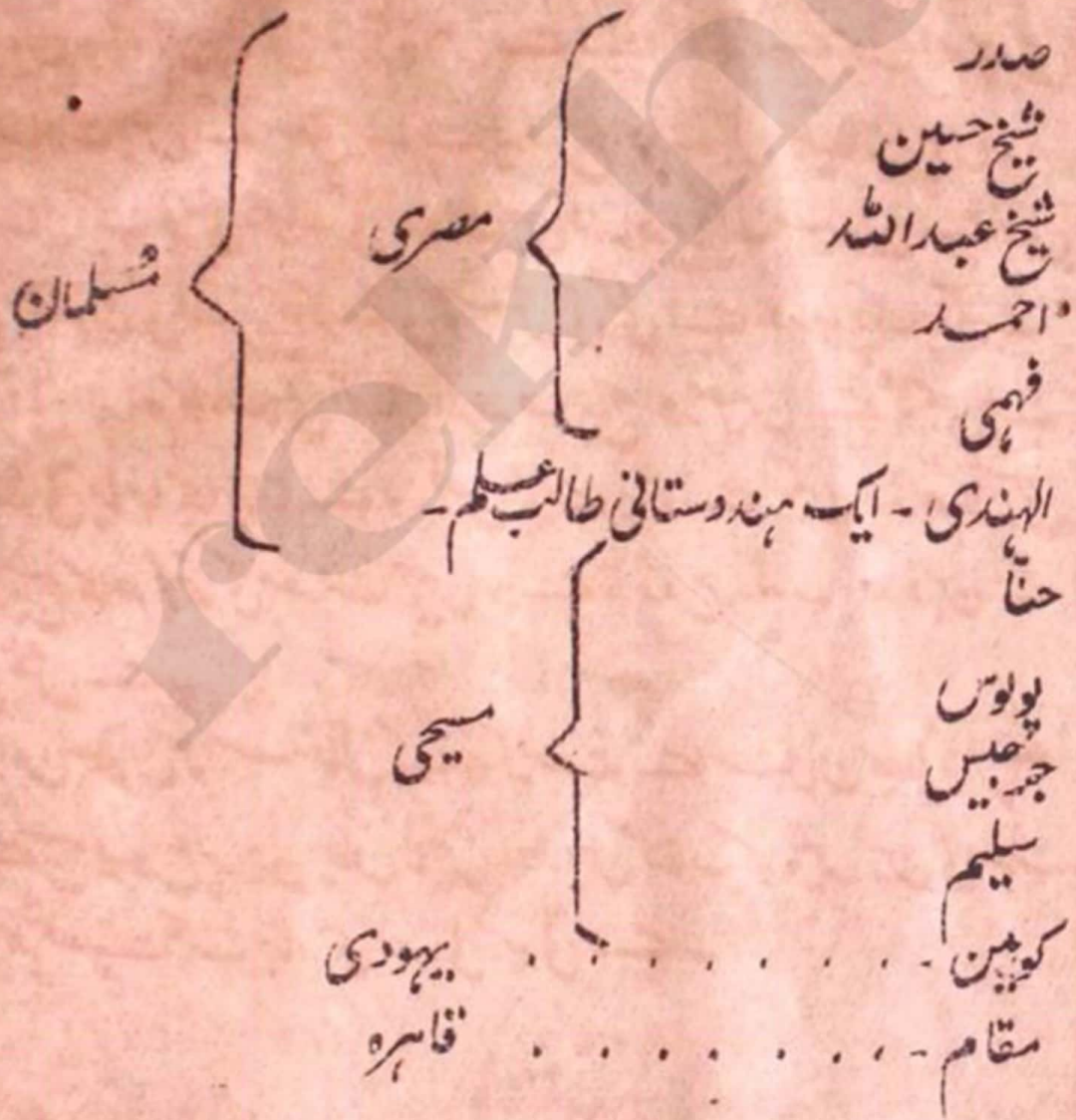
نام		گروہ	
صدر			
شیخ حسین			
شیخ عبداللہ	مصری		مسلمان
احمد			
فہمی			
الہندی - ایک ہندوستانی طالب علم -			
حنا			
پولوس			
جبہ جلیس	مسیحی		
سلیم			
کوہین -	یہودی		
مقام -	قاہرہ		

الہام سے بڑھکر اور کوئی مضمون زیادہ اہم نہیں ہے اور نہ کوئی اور ایسا مضمون ہے جس پر اہلِ مشرق اس سے زیادہ گفتگو کرتے ہوں اور پھر بھی اُن کے خیالات اِس کے متعلق نہایت غیر واضح اور ناقابلِ اطمینان ہوں۔

یہ رسالہ ایک فرضی مکالمہ کی صورت میں الہام پر ایک مضمون ہے پس اس میں اِس مضمون کی تصریح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ قرآنی الہام کا اسلامی تصوّر اگرچہ صریح اور معیّن ہے تو بھی جب خود اپنی کسوٹی پر جانچا جاتا ہے تو ناقص ثابت ہوتا ہے لیکن الہام کا مسیحی خیال جو مسیح کلام مجسّم کی معرفت ہمیں ملا ہے۔ رُوح۔ قلب اور ذہن کے لئے تسلی بخش ہے۔

خدا ان صفحوں کو استعمال کرے کہ بہت سے مسلمان بھائی اِس کے ذریعہ سے مسیح یسوع پر دِلی ایمان لائیں اور اُس کتاب کو مانیں جس کی معرفت اُس کی مُلہم شخصیت تک ہماری رسائی ہوتی ہے۔

تمہید

فخر البلاد قاہرہ میں چند طلبائے رہتے تھے جن میں باہم بڑی دوستی تھی اور جو مذہبی مسائل پر گفتگو کی غرض سے اکثر جمع ہوا کرتے تھے اور اگرچہ اُن کے مذاہب جُداگانہ تھے تو بھی اُن کو اِس کی پروا نہ تھی۔ ایک مرتبہ اُن کو خیال ہوا کہ باہم مل کر ایک ایسی باضابطہ انجمن بنائیں جس میں بلا تعصب اور بلا ناواجب جوش کے اہم مسائل پر بحث کیا کریں۔

اس غرض سے اُنہوں نے ایک جگہ جمع ہو کر ابتدائی کارروائیوں کا فیصلہ کرنے کے بعد ایک لائق و فائق مسلمان سرکاری ملازم کو اپنا صدر منتخب کیا اور پھر یہ گفتگو کی کہ کس مضمون پر پہلے بحث کرنا چاہیے۔

علیگڑھ کے ایک ہندوستانی مسلمان نے جو قاہرہ میں اِن دِنوں عربی پڑھ رہے تھے اور انہی کے نام سے اپنے طبقہ میں مشہور تھے یہ تجویز پیش کی کہ میرے خیال میں ایک مضمون ہے جس کے متعلق بحث مباحثہ سُننے کی میری بڑی خواہش ہے اور اِس سے میری مراد مضمونِ الہام ہے ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کے پاس ایک کتاب ہے جس کے الہامی ہونے کے وہ دعویدار ہیں مسیحی ایک دوسری کتاب کو اور اسی طرح مسلمان ایک تیسری کتاب کو الہامی مانتے ہیں لیکن جس قدر یہ کتب اپنی خصوصیات اور مضامین کے اعتبار سے مختلف ہیں شاید ہی کسی اور بات میں اِس قدر اختلاف ہو یہاں تک کہ ایک ہی قسم کا الہام ان تمام کتابوں کے لئے ماننا غیر ممکن ہوتا ہے۔ اِس لئے میں چاہتا ہوں کہ الہام کے مسئلہ پر ہم غور کریں کہ الہام کیا ہے اور کیسے ہوتا ہے؟"

حنا نے کہا "نہایت معقول تجویز ہے۔ ہم مسیحیوں سے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی الہامی کتاب نہیں ہے اور جب اِس کا پتہ لگایا جاتا ہے کہ کس بُنیاد پر یہ اعتراض مبنی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری کتابیں معترضین کے معیارِ الہام کے مطابق نہیں ہیں۔ اِس لئے میں بھی چاہتا ہوں کہ اِس مسئلہ کا فیصلہ ہو جائے کہ یہ الہام کیا ہے جس کی بابت ہم اِس قدر سُنتے ہیں اور الہام کے متعلق اسلامی، مسیحی اور یہودی خیالات کیا ہیں۔

کوہن یہودی نے تائید کرتے ہوئے کہا "بالکل درست ہے اور اِس کے تحت میں ہم کو خود اِن کتابوں کے اندر کی باتوں کا بھی مطالعہ کرنا پڑیگا اور یُوں ہم میں سے ہر ایک کا الہام کے متعلق جو تصوّر یا جو اپنا معیار ہے اِن کتابوں کی اندرونی باتوں کے مطالعہ سے خود معلوم ہو جائیگا اور جب یہ سب باتیں ہمارے سامنے ہونگی تو ہم اِس بات کا فیصلہ کرنے کے قابل ہو جائینگے کہ الہام کے متعلق کونسا خیال سب سے اعلیٰ اور سب سے کامل اور عالمگیر ہے اور پھر اُس کے مطابق ہم عمل کر سکینگے"۔

آخر سبھوں نے اِس خیال کی تعریف کی اور یہ قرار پایا کہ آئندہ جمعہ کو کوہن توریت (عہد عتیق) کے الہام کے بیان سے مضمون کا سلسلہ شروع کرے۔

پہلا مکالمہ

توریت (عہدِ عتیق) کا الہام

تمام احباب اُس جمعہ کے بعد جس روز مضمون کی ابتدائی باتوں پر گفتگو تھی، دوسرے جمعہ کو جمع ہوئے۔ صدرِ انجمن نے پہلے سکرٹری سے کہا کہ گذشتہ اجلاس کی کارروائی کی تحریر پڑھکر سُنائے اور اُس کے بعد یہ تقریر کی:۔

صدر:۔ معزز صاحبان! یہ دیکھنے کے لئے کہ کس طریقہ سے خدا اپنے آپ کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تینوں کتابوں کا جو مصر میں رائج ہیں اور الہامی مانی جاتی ہیں مطالعہ کریں۔ اس لئے میں مضمون کے سلسلہ کو شروع کرنے کے لئے کوہن افندی سے درخواست کرتا ہوں کہ توریت کے الہام کا بیان ہم کو سُنائیں۔

کوہن:۔ جنابِ صدرِ انجمن اور جملہ صاحبان۔ جب ہم توریت کی اندرونی باتوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو اس کی گوناگوں خصوصیات ہم پر فوراً منکشف ہو جاتی ہیں۔ اس میں بہت سی کتابیں شامل ہیں جو مختلف زمانوں میں لکھی گئیں اور جن کو بہت سے مختلف لوگوں نے جن میں سے بعضوں کے نام تک معلوم نہیں تحریر کیا یہ لکھنے والے بالکل مختلف اقسام کے آدمی تھے۔ اس توریت کے چند بیانات ایسے پیغام ہیں جن میں خدا لوگوں سے مخاطب ہے (جس طرح قرآن کی بہتیری سورتوں میں) اور بعض حصوں میں انسان خدا سے مخاطب ہے (جیسے قرآن کی سورۂ فاتحہ) اور بعض حصے صرف خدا اور اُس

کی برگزیدہ قوم اسرائیل کے متعلق ہیں۔ اس لئے یہ صاف ظاہر ہے کہ پہلے
ہم کو اس کتاب توریت کو بخوبی جانچنا اور اس کی اندرونی باتوں کی تحقیق کرنا
ہے لیکن پہلے ہمیں ایک یا دو تاریخی معاملوں پر غور کرنا ہے۔ یعنی کب اور کیونکر
یہ سب کتابیں الہامی مانی گئیں اور کیوں ان کا مجموعہ ایک پاک کتاب کہلانے
لگا؟ (مسلمان دوستوں سے میری استدعا ہے کہ فی الحال وہ زبور اور
توریت کو ایک ہی کتاب تصور کریں)۔ اس سوال کا پورا جواب نہایت طویل
ہے لیکن میرا خیال ہے کہ جملہ حاضرین کے اطمینان کے لئے یہ واقعات کافی
ہیں:- (۱) پہلی صدی مسیحی میں یہودیوں نے ان کتابوں کو مقدس اور الہامی
مان لیا تھا اور اسی صدی کے آخر میں یہودی ربیوں کی کونسل نے جمنیہ میں
ان پر اپنی مہر کی اور ان کا شمار قطعی طور پر مقرر کر دیا (۲) یہودی مصنف یوسیفس
نے کہ جو اس صدی کا مشہور مورخ گذرا ہے ان پاک کتابوں کی ایک تفصیل وار
فہرست لکھی ہے جو توریت رائج الوقت کے بالکل مطابق ہے اور ان بیشمار
حوالوں سے جو اس نے اپنی کتابوں میں دیئے ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کی
اندرونی عبارات بھی بعینہ ویسی ہی ہیں (۳) اسی طرح مشہور فلاسفر فیلو نے
جس نے قبل سنہ ۴۰ء اپنی کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں مقدس تسلیم کر کے
ان کی بہتیری عبارتیں نقل کی ہیں (۴) اگرچہ یہودیوں کے پاس اور بھی بہتیری
مذہبی کتابیں تھیں جن میں سے بہتوں کی بہت تعظیم کی جاتی تھی تو بھی ان
مقدس کتابوں کا پایہ ان سے بہت بلند تھا اور یہ بالکل مختلف طور سے
الہامی مانی جاتی تھیں۔ مثلاً فیلو سوائے ان کتب مقدسہ کی عبادتوں کے حوالے
کے کبھی اور کسی کتاب کی عبارت کو کامل طور پر الہامی ہونے کی حیثیت میں پیش
نہیں کرتا۔ اور یہی حال یوسیفس کا ہے۔ (۵) مسیحیوں نے انہی صحیفوں کو

اصلی توریت مان کر قبول کیا اور آج تک انہیں اپنی کلیسیاؤں میں پڑھتے ہیں لیکن تو بھی یہودی اُن کے مذہب کی مخالفت کرتے آئے ہیں اور اس مخالفت کی وجہ سے ہم یہودی اور مسیحی لوگوں کے درمیان کسی قسم کی سازش کا شبہ کرنا ناممکن ہے۔ (۶) یسوع نے جس کو بہتیرے نبی اور مسیح مانتے ہیں اپنی مہر اُن پر کی ہے اور متقابلتہً جو تھوڑے اقوال آپ کے قلمبند ہیں اُن میں قریباً ہر کتاب سے خدا کے کلام کے طور پر حوالے موجود ہیں اور یہی حال آپ کے شاگردوں کا اور نئے عہدنامہ کے دیگر نویسندوں کا ہے۔

عزیز دوستو! اس دلیل کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ توریت رائج الوقت کے صحیفے وہی ہیں جو پہلی صدی مسیحی میں قبول کئے گئے اور الہامی مانے گئے۔ اس سے بھی قدیم زمانے میں ان کا پتہ لگانا ممکن ہے مگر یہ فضول ہے۔ مسیحی ان صحیفوں کے تمام مجموعوں کو قبول کرتے ہیں اور اہل اسلام بھی قبول کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جو دلیل میں نے پیش کی ہے اُس سے محمد صاحب سے قریباً چھ سو ۶۰۰ برس پیشتر کا ثبوت ملتا ہے اور جس سے بلا کسی شک و شُبہ کے صاف ظاہر ہے کہ جس توریت کی محمد صاحب نے گواہی دی ہے اور جسے تمام یہودی مانتے تھے حتیٰ کہ وہ بھی جو اُس کے معنی کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے وہی توریت ہے جسے یہودی اور مسیحی دونوں پہلی صدی میں مانتے تھے اور اب بیسویں صدی تک برابر مانتے چلے آئے ہیں۔

اب ان صحیفوں کی تقسیم اور ان کے الہام کی خاصیت کا ذکر کرنے سے قبل میں اُن صاحبان کو موقع دینا چاہتا ہوں جن کو میرے مضمون کے اس تواریخی حصے پر کوئی سوال کرنا ہے (یہ کہہکر ووہن بیٹھ جاتا ہے)۔

صدر۔ ہم اس موقع کے لئے ووہن کے شکرگذار ہیں۔ کیا کسی صاحب کو

کچھ دریافت کرنا ہے ؟

الهندی :۔ ان صحیفوں کے ترتیب پانے اور مقرر ہونے کی کیا تواریخ ہے ؟ میں انجیل کی کتابوں کے مرتب ہونے کی تواریخ سے تو عام طور پر واقف ہوں لیکن یہودی کتابوں کی ترتیب کی تواریخ سے بے بہرہ ہوں۔

کوہن :۔ چونکہ یہ کتب مقدسہ اپنی قدامت کے اعتبار سے نہایت قدیم ہیں اس لئے ان کی تواریخ نہایت پیچیدہ اور اہم ہے۔ ان کے مجموعے اور ترتیب کی تواریخ ان کتاب کے اندرونی ثبوت یعنی جو ثبوت خود اس کے اندر کی تحریر سے مل سکتا ہے اُن پر منحصر ہے اور چونکہ ان میں کئی سو برسوں کے عہد کی تواریخ ہے اس لئے یہ مجموعہ ایک مدت دراز میں رفتہ رفتہ پورا ہوا ہے۔

شیخ عبدالله :۔ تو جناب پھر اس مسئلہ کی اغلاق اور مشکلات کی موجودگی میں ہم کس وثوق پر توریت کی کتابوں کو سچی اور الہامی مان سکتے ہیں ؟ خاصکر جب ہم جانتے ہیں کہ یہودیوں نے ان صحیفوں میں تحریف کی ہے اور اس بات پر خود ہمارا قرآن شاہد ہے۔

صدر الشیخ صاحب ۔ آپ کا سوال میری رائے میں قاعدے کے خلاف ہے۔ شروع میں ہم لوگوں نے مروجہ توریت کو اصلی نسخہ و الہامی کتاب فی الحال فرض کر لینا منظور کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ان کتابوں میں تحریف ہوئی ہوتی تو ہمارے نبی ان پر گواہی نہ دیتے اور فی الحقیقت یہ ایک دلیل کافی ہے اور جس دلیل سے کوہن افندی نے توریت کی ان کتابوں کا حضرت مسیح کے زمانہ میں یعنی ہجرت سے چھ سو سال پیشتر الہامی تسلیم کیا جانا ثابت کیا ہے وہ ہمارے لیے کافی و وافی ہے اور قرآن کے جن صرف چار مقامات میں جو یہودیوں پر توریت کی تحریف کا الزام لگایا گیا ہے اُن کی عبارتوں سے اور بڑے بڑے

مفسرین کی رائے پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں تحریف کا مطلب اور اُس کے معنے کسی آیت کی عبارت کا بدلنا نہیں ہے بلکہ آیت کے معنے کو بدل ڈالنا ہے۔

شیخ حسین :۔ مگر یہ بھی تو ایک روایت ہے کہ مسیح سے چھ سو برس پیشتر اسیری کے زمانہ میں توریت کے تمام نسخے جلا دیئے گئے تھے اور دو پشت بعد عزرا نے پھر توریت کو اپنی یاد سے لکھا اور اِس روایت سے توریت کی کتابوں پر سے ہمارا ایمان جاتا رہتا ہے۔

کوہین :۔ اگر اِس روایت کے پہلے بیان کا جزو صحیح ہے تو مجھ ایک یہودی کو جو دقت پیش آتی ہے وہی آپ ایک نیک دل مسلمان کے لئے بھی ہے کیونکہ محمد صاحب نے توریت پر گواہی دی ہے اور آپ توریت کی اصلیت اور موجودگی کا انکار ہرگز نہیں کر سکتے اور یوں لامحالہ آپ کو اِس روایت کے بیان کے دوسرے حصے کو ماننا پڑیگا کہ عزرا نے جو کچھ اپنی یادداشت سے لکھا بالکل درست لکھا اور کیوں نہ ہو ؟ اوّل تو خدا کے سامنے کچھ ناممکن نہیں ہے اور دوم یہ کہ قوت حافظہ سے بڑے بڑے کار عظیم وقوع میں آچکے ہیں بلکہ آجکل آرہے ہیں !۔

فہمی ۔ شاباش جناب ! آپ کا جواب نہایت معقول ہے۔ مگر اِس روایت کی اصلیت کیا ہے ؟

کوہین :۔ کچھ بھی نہیں ۔ یہ ایک ایسی کتاب میں مرقوم ہے جو صرف زمانہ عزرا کے بعد ہی نہیں بلکہ مسیح کے بعد تصنیف کی گئی ۔ یعنی عزرا کے زمانے کو پانچ سو برس سے بھی زیادہ کا عرصہ گذر لئے پر اور اِس پانچ سو برس کے درمیان ہمیں کوئی بات کہیں اِس روایت کی تائید میں نہیں ملتی بلکہ ہر بات اِس روایت کو غیر معتبر

ٹھہراتی ہے اور یُوں صاف ظاہر ہے کہ صرف عزرا کے نام کو زیادہ عظمت دینے کے لئے یہ روایت گھڑی گئی ہے اور جو خدمت عزرا نے موسوی شریعت کو محفوظ رکھنے اور اُسے جمع کرنے میں کی ہے اُسے اس روایت سے زیادہ بڑھانا مراد ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ محض اختراع ہے۔

صدر:۔ معلوم پڑتا ہے کہ آپ کو اپنے واقعات کی اصلیت پر پُورا وثوق ہے اور میرے خیال میں ہم میں سے کسی کے پاس اب اس سے زیادہ باوثوق کوئی امر پیش کرنے کو نہیں ہے اور اس لئے اب اگر کسی صاحب کو کوئی اور سوال نہیں کرنا تو میں درخواست کرتا ہوں کہ اب آپ آگے اپنا مضمون پیش کریں۔

کوہن:۔ پس ہم سب اس پر متفق ہیں کہ توریت رائج الوقت حضرت محمد صاحب کی اور حضرت مسیح کی توریت ہے۔ اس میں جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ کلام الٰہی ہے۔ حضرات! اب آپ کو اس دلیل مذکورہ کے اس نتیجہ کو ماننا لازم ہے جس کی رُو سے آپ کو توریت کی کسی بات پر اعتراض کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ اب میں ان کتابوں کی تقسیم اور ترکیب کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔ اور تب ہم دیکھینگے کہ الہام کے متعلق کونسا خیال ان سے نکلتا ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ توریت کتب مقدسہ کا مجموعہ ہے اور اس کی تقسیم اس طرح پر ہے۔ ہمارے قدیم ربیوں نے تین طرح پر ان کتابوں کو تقسیم کیا ہے۔

(۱) شریعت۔ یعنی موسےٰ کی پانچ کتابیں۔

(۲) صحائف انبیا۔ جن میں تواریخی کتابیں بھی شامل ہیں کیونکہ یہ بھی نبیوں کی معرفت لکھی گئیں۔

(۳) صحائف مقدسہ۔ کیتبم جن میں مزامیر یا زبور اور دوسری مقدس

نظمیں یا امثال وغیرہ شامل ہیں۔

اِن ربیوں نے الہام اِن تمام کتابوں پر محمول کیا اور جس قسم کا الہام اِن کتابوں کے لئے اُنہوں نے مانا وہ نہایت ہی اعلیٰ درجے کا ہے۔ چنانچہ ہم اِس کے متعلق فیلو کا بیان سُن چکے ہیں لیکن ساتھ ہی اِس کے نہایت صفائی سے اُنہوں نے یہ بتا دیا کہ توریت (جس سے اُن کی مراد الٰہی مکاشفے کی تمام کتابیں اور صحیفے ہیں) مخلوق ہے۔ لیکن اِن میں سے بہتیروں کا یہ عقیدہ تھا کہ توریت تمام مخلوقات سے مقدم ہے۔ اور یہ خلقت عالم موجودات میں آنے سے پیشتر تصوراً موجود تھی۔ اِس بیان سے قرآن کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی دلچسپ بحث جو مسلمانوں کے مابین اکثر ہوئی ہے یاد آتی ہے۔

اب اِس پر سب کا اتفاق ہے کہ جس الہام کے ذریعہ سے توریت انسان تک پہنچی اُس کا منبع خدا ہے اور یہ الہام مُلہم شخصوں تک پہنچایا گیا اور اُن سے الہامی کتابوں کی شکل میں ظاہر ہُوا لیکن جس طریقے سے الہام ہُوا اُس کے متعلق عقیدے میں بڑی گنجائش رکھی گئی۔ مثلاً فیلو نے تین قسمیں بیان کی ہیں (۱) جب نبی خدا کے مترجم کی طرح بولتا ہے۔ اس صورت میں انسان اور خدا کے بیچ میں کامل تطابق ہے (۲) جس صورت میں نہ صرف خدا مُلہم شخص کو خطاب کرتا ہے بلکہ مُلہم شخص بھی خدا سے خطاب کرتا ہے۔ (۳) جس صورت میں نبی شخصی طور پر خود کہتا ہے مگر جو کچھ کہتا ہے وہ رُوح الٰہی کی ہدایت سے ہے۔ فیلو کے خیال کے مطابق خدا کے الفاظ (خیال) الہام کا وسیلہ ہیں۔ اِسی طرح دوسرے ربیوں نے الہام کے ہر وسیلہ کو کہ جس کا ذکر توریت میں ہے (فرشتہ۔ رُوح۔ آواز وغیرہ) میمرہ یعنی کلمہ یہوواہ کے عام نام سے نامزد کیا۔

یُوں قدیم ربیوں کے بیان کے مطابق تمام صحیفے یکساں طور پر الہامی ہیں۔

اگرچہ یہ الہام مختلف صورتوں میں ہوُا اور ایک صورت دوسری سے زیادہ اعلیٰ اور زیادہ گہری ہے تو بھی الہامی حیثیت سے تمام الہامی کلام یکساں مرتبہ رکھتا ہے۔ پُرانی ٹارگموں میں سے ایک ٹارگم میں خدا کے کلام کا مقابلہ کسی بادشاہ کے کلام سے یُوں کیا ہے کہ کچھ باتیں تو بادشاہ کے اُس پیغام کی طرح ہیں جو وہ اپنے قاصد کو محل سے باہر کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر دیتا ہے اور پاک کلام کی کچھ باتیں بادشاہ کی اُس بات چیت کی طرح ہیں جو وہ بادشاہ اپنے محل میں بیٹھکر اِس طرح مخاطب کلام سے کرتا ہے گویا اپنے بیٹے سے اپنے پاس بلکہ اپنی گود میں بٹھاکر اور اپنا ایک ہاتھ اُس کے سر پر رکھکر اُس سے ہم کلام ہوتا ہے۔ کیا ہی عُمدہ خیال ہے! غرضیکہ یہ عقیدہ تھا کہ ہر لفظ اور ہر حرف میں یکساں الہام ہے۔ اور اسی سبب سے شریعت کے حرفوں کی بھی تعظیم ہونے لگی۔ جس کے باعث مجھے افسوس ہے کہ اُس کی رُوح سے لاپروائی کی گئی (۱)۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ الہام کے متعلق ان پُرانے اصولوں کو ہمیں الہامی ماننا ضروری نہیں ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے کوئی یہودی یا جو کوئی توریت قبول کرتا ہے ان اصولوں کے ماننے پر مجبور نہیں ہے۔

اس لئے میں اس مسئلہ کی ازسرِ نو جانچ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں میں بخوشی اپنے آباواجداد کے اِس عقیدے کو تسلیم کرتا ہوں کہ خدا تمام الہامی کتابوں کا منبع ہے اور سب اُسی کا کلام ہے لیکن میں سوچتا ہوں کہ اس صورت میں الہام کی صورت میں صفائی کے ساتھ فرق ماننا چاہئے۔ اور میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ پاک صحیفے کا ہر لفظ یکساں طور پر الہامی ہے۔

(۱) اس لئے کہ یہ انسانی تعلیم ہے۔ خدا نے صفائی کے ساتھ یہ نہیں سکھایا ہے۔
(۲) اس لئے کہ بجائے نفس تعلیم کے حرفوں کی اس سے پرستش ہوتی ہے۔

(۳) اِس لئے کہ اِس سے الٰہی الہام اُن حادثات کے تحت میں آجاتے ہیں جن کا نسخوں کے نقل کرنے کے دوران میں ہوجانے کا امکان ہے۔ الہامی نسخوں کے نقل کرنے کا مدار چاہیے کہ ایسے حافظہ اور صحت پر ہو کہ جو بری از خطا ہے۔ میرا کامل یقین ہے کہ دُنیا میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں ہے۔ ہاں قرآنؐ بھی جس کی نسبت کوئی یہ ثابت کر سکے کہ یہ ابتدا سے اسی صحت کے ساتھ نقل ہوتا چلا آیا ہے کہ جس میں سہو کا وہم و گمان نہ ہو۔ خدا کی سچائی کو ایک ایسے مشتبہ اصول پر قائم کرنا نہایت خطرناک بات ہے۔ میرا یقین ہے کہ پاک کتاب کا خلاصہ اور اُس کا مطلب الٰہی انتظام کے مطابق خدا کی طرف سے ہم لوگوں تک پہنچا ہے۔

قبیلہ کی سہ گانہ تقسیم سے الہام کی صورتوں کے سمجھنے میں جو مدد ملتی ہے اُس کے مطابق ہم توریت میں یہ پاتے ہیں۔

(۱) وہ کتابیں جہاں خدا لوگوں سے خاصکر متکلّم ہے۔

(۲) وہ مقامات جہاں انسان کا خدا سے خطاب ہے۔

(۳) وہ کتابیں (مثل تواریخی کتابوں کے) جہاں ملہم انسان صرف خدا اور اُس کے لوگ اور اُس کی دُنیا کے متعلق بتاتے ہیں۔

اب ہم خود کتابوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کی تقسیم میں اُوپر دکھا چکا ہوں اور خود ان سے جاننا چاہتے ہیں کہ الہام ان میں کیونکر ہوا ہے۔ اور ان کتابوں کے دیکھتے ہی فوراً یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ الہام کی مختلف صورتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ اور چند حالتوں میں طریق الہام کا پتہ بالکل نہیں لگتا۔ مثلاً پہلی حالت میں (جہاں خدا ہی سے متکلم ہے) سب سے بڑی مثال موسیٰ کی ہے جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا تھا۔ خود کتاب مقدس اس طریق الہام کو لاثانی بتاتی ہے لیکن اور بھی ایسی نظیریں کتاب مقدس میں موجود ہیں جو اس مثال مذکورہ

سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ مثلاً خدا کا الیاہ نبی کے ساتھ ایک ہلکی دبی ہوئی آواز کے ذریعہ سے کلام کرنا بتایا گیا ہے۔

اور دوسرے نبیوں نے مثلاً یشعیاہ۔ حزقیل نے رویا دیکھی۔ اور بلعام کی طرح اوروں پر خواب کی سی حالت میں الہام ہوا اور بعضوں نے خواب میں ایسی باتیں دیکھیں اور سنیں اور یوں خدا کا کلام اُن کو ملا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ایسے خاص وقتوں کے محتاج نہیں تھے بلکہ بہتیری صورتوں میں ہم نبی کی اُس وقت کی دلی کیفیت سے بالکل لاعلم ہیں جب خدا کا کلام اُس پر آیا یا جب خدا نے اُس سے یہ کہکر کلام کیا۔ علاوہ اِس کے ہم کو وہ بہتیرے مقامات بھی یاد رکھنے چاہیئے جہاں کسی فرشتہ یا خداوند کے فرشتے نے نبی پر ظاہر ہو کر خدا کا پیغام اُسے پہنچایا۔ جس طرح یعقوب۔ جدعون۔ ذکریاہ وغیرہ کے ساتھ ہوا۔ اور بعض صورتوں میں صرف یہ لکھا ہے کہ خداوند کی رُوح مجھ پر آئی اور یہ ہوا۔ غرضیکہ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی قسم کے الہام میں بھی کوئی خاص قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ اس میں خدا کی طرف سے خاص طور پر صفائی کے ساتھ پیغام نبی کو پہنچتا ہے اور عام طور پر خدا کی روح جس طرح انسان میں کام کرتی ہے اُس سے یہ طریق الہام بڑھکر ہے۔ اس میں نبی الٰہی پیغام کے لئے ایک وسیلہ بن جاتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ الہام کی کئی صورتیں ہیں۔ خدا نبی کی شخصیت الہام کے وقت مٹا نہیں دیتا اور یہ بات مختلف صحیفوں کے مختلف طرزِ تحریر و عبارت سے صاف ظاہر ہے۔ مثلاً یشعیاہ کی زبان اور طرز تحریر اُس کا ذاتی ہے۔ ہاں باوجود خدا کے اِس کی معرفت کلام کرنے کے طرزِ تحریر یشعیاہ ہی کا ہے۔ غرض اب ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ کہنا زیادہ صحیح اور صریح ہے کہ خدا نے لوگوں کو الہام دیا اور اُن لوگوں نے الٰہی اثر میں ہو کر نبوت کی باتیں کہیں اور لکھیں لیکن اُن کے

علم اور قواء ذہنی واستدلالی اور اُن کی اپنی اپنی شخصیت برقرار ہے۔ پھر اُن کے کلام کتابوں کی صورت میں جمع کرلئے گئے۔ اور یوں خارجی یا ضعیف معنی میں یہ کتابیں الہامی کہلانے لگیں لیکن بے پروائی کے ساتھ اِس فقرے کا استعمال نہیں ہونا چاہیئے۔ صاف طور پر یہ بیان کر دینا چاہیئے کہ الہام کا جو طریق قرآن کے لئے مسلمان مانتے ہیں بعینہٖ وہ طریق توریت کے الہام کا ہرگز نہیں ہے ورنہ بڑی گڑبڑی پڑیگی اور ہمیں اس کے ثابت کرنے کی کوشش کی ضرورت ہی کیا ہے۔

تمام باتیں جو خدا اور اُن مُلہم نبیوں کے درمیان ہوئیں یا جو کچھ واقعات گذرتے وہ سب کے سب کتابوں میں جمع نہیں کر لئے جاتے لیکن کافی جمع کر لیا جاتا تھا۔ یہ الٰہی مکاشفہ میں انصرام کفایت کی تعلیم ہے۔ اور اگر ہم اس پر غور کریں تو اِس سے الہام کا مسئلہ سمجھنے میں نہایت آسانی ہوگی۔ اب جب ہم الہام کی دوسری قسم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ جہاں انسان خدا سے کلام کرتا ہے تو یہاں بھی طریق الہام کے متعلق بہت کم اصول ملتا ہے۔ پڑھنے والے پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نبی یا ولی جو کوئی متکلم ہے۔ (مثلاً جس طرح چند مزامیر میں داؤد) وہ اُس وقت مذہبی جذبات یا دوسرے الفاظ میں خدا کی روح کے زیر اثر ہے۔ اور اِس الٰہی عنصر کے سبب اُس کی دُعا و حمد میں ازلی صفت آجاتی ہے اب صاف ظاہر ہے کہ یہ طریق الہام اوّل الذکر سے مختلف ہے لیکن عین پہلے کے مطابق حقیقی ہے اور اِس کا ثبوت اُن لاکھوں شخصوں کا تجربہ ہے جنھوں نے اُن مزامیر یا حمد میں مثلاً داؤد کی دلی دُعاؤں میں جو اُس نے خدا سے مانگی تھیں ایسا پیغام اور ایسا حقیقی مکاشفہ پایا ہے جیسا داؤد نے خدا کے پیغام میں پایا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ہم خدا کی روح انسانی روح پر کام کرتی ہوئی دیکھتے ہیں اور اِس الٰہی اور انسانی شرکت کا نتیجہ سچائی کا مکاشفہ ہے۔

اب جب الہام کی تیسری قسم کی طرف رجوع ہوتے ہیں جہاں پاک نویسندوں نے خداگانہ قسم کی تحریر خدا کی نسبت قلمبند کی ہے (مثلاً ایوب کی کتاب) یا خدا کا لوگوں سے سلوک (تواریخی کتابیں) یا نیک لوگوں کے ایک دوسرے کے برتاؤ کی نسبت (مثلاً امثال وغیرہ کی کتابیں) لکھی ہیں تو ہم پھر ان کی باتوں کی جانچ کر کے اُن سے طریق الہام دریافت کر سکتے ہیں۔ اور یہاں ہمارا جواب ہے کہ خدا کی رُوح نے جس کا طریق عمل لامحدود ہے ان کتابوں کے مصنفوں کی خاص طور پر ہدایت کی اور ہماری تربیت کے لئے اُنہیں لکھنے کی توفیق بخشی۔ کہ جس کے بغیر ہم خدا کا بنی نوع انسان کے ساتھ جو سلوک رہا اس کے متعلق نہیں جان سکتے تھے لیکن توریت میں اس الٰہی سلوک کا مسلسل بیان ہم پاتے ہیں اور اس سے ہمیں پتہ ملتا ہے کہ خدا حقیقت میں کون اور کیا ہے۔ اور تواریخ میں ہم کیونکر خدا کی اُنگلی کو کام کرتے دیکھ سکتے ہیں۔ حقیقت میں اس کتاب میں ہمیں انسانوں کے ساتھ الٰہی سلوک کا ایک آئینہ نظر آتا ہے۔ اور وہ صفتیں جو انسان کو خدا کی نظر میں مقبول بناتی ہیں یا جس سے انسان خدا کے فیض سے محروم ہو جاتا ہے اُس میں دکھائی دیتی ہیں۔ ہم صاف طور پر پاکیزگی کی خوبصورتی اور برائی کی بدصورتی اور اول الذکر کی آخر الذکر پر فضیلت اس میں دیکھتے ہیں۔ خواہ نیکی کا اجر اس دُنیا میں ہو یا آئندہ جہاں میں۔ خواہ نیکی غیر فانی زندگی کی اُمید پر ہو یا بلا اُمید تو پھر کیا ہمارا اس کتاب کو بحیثیت مجموعی الہامی ماننا درست نہیں ہے؟

سوای خدا کے اور کہاں سے یہ کتابیں آسکتی ہیں۔ آپ توریت کا مقابلہ بال اسپر یا نیز بیمر کی مذہبی تحریروں سے کیجئے جن کی حال ہی اس قدر تعریف ڈاکٹر سیس نے کی ہے اور فوراً آپ پر توریت کی فوقیت اور اس کی وقعت کھل جائیگی اور اس کا وہم پرستی سے بالکل بری ہونا آپ پر عیاں ہو جائیگا۔ ہمارے

آباواجداد خود دوسری قوموں سے بہتر نہیں تھے۔ اُن کی اصلیت بُت پرست تھی اور ہمیشہ اپنی فطرت میں وہ بُت پرست رہے۔ خدا کی رُوح نے لگاتار پُشتہا پُشت ان کے درمیان کام کر کے اُن میں انبیا اور مقدسین پیدا کئے جن کی یہ تحریریں یا جن کے واقعاتِ زندگی اس کتاب میں تحریر ہیں اور انسان پر خدا کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہودی قوم خدا اور انسان کے درمیان پیغام رسانی کا ایک برگزیدہ ذریعہ تھی۔ خدا کے اپنے ذاتی مکاشفہ کا یہ ایک مقبول ذریعہ تھا۔ اس لئے اس قوم کے تحریری حالات اور کچھ نہیں ہیں تو صرف اپنے مضمون ہی کی حیثیت سے ضرور ہے کہ الہامی ہوں۔ توریت اس قوم کے تحریری حالات ہیں۔ اس لئے توریت الہامی ہے۔

اور اخیر میں ہم اس قانونِ انصرامِ کفایت کا ایک اور استعمال دیکھتے ہیں یعنی ایک اور طریق الہام اس میں ملتا ہے یعنی کتابوں کا انتخاب۔ الہامی انتظام سے مکاشفہ کے لئے کافی کتابیں منتخب کر لی گئیں۔ اور یہودی سرداروں کے دلوں میں ہر زمانہ میں ان کتابوں کے محفوظ رکھنے۔ جمع کرنے اور ترتیب دینے کی ترغیب خدا نے ڈالی۔ اور یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کتاب اپنی اس آخری صورت میں (جس صورت میں مسیحیوں نے یہودیوں سے لی) ایسی ہے جیسی خدا چاہتا تھا۔ خدا کی رُوح نہ صرف اُس کی مصنف بلکہ اس کی ایڈیٹر بھی ہے۔

حاضرین۔ جو طریقہ ہم نے ان پاک کتابوں کی جانچ میں استعمال کیا ہے۔ وہ طریقہ نہایت محفوظ ہے۔ (اور یہی صرف ایک محفوظ طریقہ ہے) کہ جس طریقہ کے استعمال میں ہم پہلے کوائف مراتب مسلمہ لیکر ان مقدمات و مراتب مسلمہ سے ہم خود اپنا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ یہ علم حکمت کا طریقہ ہے کہ جس کا استعمال علم کے ہر شعبہ میں آج ہو رہا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جو تعصب کی غلطیوں سے بچاتا ہے۔ اور اُن مسئلوں کے بلا وجہ مان لینے سے جن کو ثابت کرنا ہوتا ہے اور جو دعویٰ میں فرض کر لئے جاتے

ہیں ہم محفوظ رہتے ہیں۔ میں آپ کو اس طریقہ کے استعمال سے آپ کے اپنے خیالات سے ہی میرے دعویٰ کی تردید کے لئے دعوت دیتا ہوں۔ اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی کتابوں کی جانچ اس مسئلہ کے ذریعہ سے کیجئے۔ اور یہ آپ کے لئے زیادہ مناسب اور ہم سبھوں کے لئے زیادہ مفید ہوگا

پُرانے عہدنامہ کے الہام پر کوہین کی تقریر پر بحث۔

صدر۔ ہم کوہین افندی کی عالمانہ تقریر کے لئے نہایت ممنون ہیں۔ اور اس کے عجیب خیالات کے باوجود ہم اس کی داد دیتے ہیں۔ اب میں اس مسئلہ پر بحث کرنے یا اس مضمون پر سوال کرنے کی عام دعوت دیتا ہوں۔

شیخ حسین۔ صاحبو۔ میں اس تقریر پر اپنی حیرت کا اظہار کرنے کے لئے محتاج الفاظ ہوں اور مذہبی الہام کے اس ناقص غیر مکتفی بیان پر کہ جو اس تقریر میں پایا جاتا ہے اپنے غصہ کا اظہار کر سکتا ہوں۔ اور میں ہرگز یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ کسی مذہبی شخص کو ان باتوں سے تسلی مل سکتی ہے یا وہ اس کتاب پر ایمان لا سکتا ہے کہ جس سے یہ باتیں نکالی گئی ہیں۔ یا اس کتاب کے مذہب کا وہ پیرو رہ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ ان سے الہام کے ہر صحیح خیال کی تردید ہوتی ہے۔ الہام کی زیادہ تر طرائق کہ جن کا بیان ہوا ہے ہمارے مفسرین کے خیالات کے بالکل برعکس ہے جو ایسے لوگوں نے مثلاً شیخ جوان احمد۔ ابن خلدون۔ ابوحنیفہ نے بڑی محنت سے قرآن کا مطالعہ کر کے نکالا ہے۔ یہ بالکل یقینی امر ہے کہ ان لوگوں نے الہام کی کامل کیفیت بیان کی ہے۔ اور اس لئے جب ہم کوہین افندی کی تقریر کی طرح کے بیانات سنتے ہیں تو ہم پر اُن کی بطلان کا اور اس کتاب کی تحریف کا کہ جس کی وہ حمایت کرتے ہیں فوراً پتہ لگ جاتا ہے۔

صدر۔ شیخ صاحب معاف کیجئے۔ آپ کا بیان بحث سے خارج ہے۔ توریت

کے معتبر یا غیر معتبر ہونے پر فی الحال ہمیں کوئی بحث نہیں ہے۔ ہمیں صرف توریت کے
مطابق الہام کا بیان سُننا اور اگر ممکن ہو تو سمجھنا ہے۔ اور پھر سلسلہ میں انجیل اور قرآن
کے مطابق جو الہام کی تعریف ہے اس سے اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ تب آپ کو اختیار
ہے کہ جسے چاہیں قبول کریں یا جن کتابوں کو آپ مناسب سمجھیں غیر معتبر ٹھہرائیں اور
باطل قرار دیں۔

پولوس۔ میرے خیال میں شیخ صاحب پُرانی غلطی میں پڑے ہیں کہ جو ثابت کرنا
ہے وہی بات دعوئ میں فرض کرلی ہے (یعنی قرآن سے الہام کا جو اصول ابن خلدون
وغیرہ نے نکالا ہے وہی ممکن اور صرف سچا اصول ہے) اور پھر ایک سرے سے
اُس کے خلاف ہر بات سے انکار کر ڈالا۔ واقعی یہ بعید القیاس ہے۔ یہ سچائی کی تلاش
کا انکار کرنا ہے اور اگر دُنیا اس اصول کو مانتی ہوتی تو ہم آج تک یہی مانتے کہ سُورج دُنیا
کے چاروں طرف گھومتا ہے۔ مجھ کو بھی حسین افندی کے خیالات ایسے عجیب و غریب
لگے جیسا کہ معزز شیخ صاحب کو۔ کیونکہ الہام کے متعلق میرے خیالات بھی قریب قریب
آپ ہی کے خیال سے ملتے جلتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ جدید اور عجیب ہیں اس بنا پر
اُن سے انکار نہیں کرتا۔ جو کچھ میں نے سُنا ہے کم از کم اُس پر ضرور غور کرونگا۔

شیخ عبد اللہ۔ میں شیخ حسین کے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں لیکن ساتھ ہی اس
کے میں یہ دیکھتا ہوں کہ ہمیں یہ کوئی حق نہیں ہے کہ ہم یہ فرض کرلیں کہ خدا کے لئے ایک
ہی طریقۂ الہام کا ممکن ہے لیکن حسین افندی نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ پاک صحیفہ کے
ہر لفظ یا ہر حرف کے لئے یکساں الہام نہیں مان سکتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی
ہے کہ ہر ایسے لفظ اور ہر حرف کا نہایت صحت کے ساتھ فی زمانہ منتقل ہوتے رہنے کا
ثبوت بہم پہنچانا ناممکن ہے اور جب کامل صحت و درستی کے ساتھ قرآن پہنچایا گیا ہے
اُس پر کبھی شبہ کا اظہار کیا۔ یہاں وہ بیشک غلطی پر ہیں جیسا کہ اب میں ثابت کرونگا۔

صدر۔ میرے خیال میں آپ اِس آخری خیال کو آیندہ کے لئے اُس وقت تک ملتوی رکھیں جب ہم قرآن کے الہام پر بحث کرینگے۔

کوہین۔ میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ کتاب کے نقل کرنے اور پہنچانے میں غلطی ہونے کا احتمال ہے۔ اور جس اصول کا انحصار اس دعوی پر ہے کہ ایسی غلطی ہرگز نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے وہ ایک اندیشہ ناک اصول ہے۔

شیخ حسین۔ تو کتاب کے اختلاف بیانی پر نظر کیجئے۔ میرے پاس سینکڑوں اختلاف بیانی کی فہرست موجود ہیں اور اب میں ناظرین کو ان میں سے چند بتاؤنگا۔ اور کوہین آفندی کو مقابلہ کے لئے دعوت دیتا ہوں کہ وہ اِن کی تشریح کریں۔

حنا۔ جناب صدر مجلس صاحب میں گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ ان مشکلات کی تشریح کرنا یا اُن کی تشریح کرنے سے قاصر رہنا فی الحال ہمارا کام نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی ہماری بحث کیفیت الہام پر نہیں ہے بلکہ الہام کے طریق پر۔

الہندی۔ مجھے کوہین آفندی کی یہ بات نہایت پسند آئی کہ آپ اپنے تمام خیالات میں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ میرے زعم میں آپ کا یہ خیال صحیح ہے۔ ہم زمانہ قدیم کے لوگوں کی بات کے نتیجوں کو ملہم نہیں مانتے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ کوہین آفندی کن وجوہات سے پاک صحیفہ کے ہر لفظ کو یکساں یا مساوی طور پر الہامی نہیں مانتے ہیں۔ اور زیادہ وضاحت کے ساتھ تشریح کردیں۔

حنا۔ میں اپنے دوست کوہین آفندی کی طرف سے اس کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ایک تمثیل کے ذریعہ سے میں اِس کی توضیح کر سکتا ہوں۔ کتاب مقدس مثل ایک ذی جان جسم کے ہے۔ اب جسم کے ہر عضو اور ہر حصے میں پوری زندگی تو ہے لیکن اس کا ہر حصہ مساوی طور پر نہایت ضروری اور اہم نہیں ہے۔ بلکہ بتدریج باعتبار اہمیت ان میں مراتب پائے جاتے ہیں۔ قلب انسانی سے لیکر جس میں ذرا سی سوئی چبھنے

ہیں ساری زندگی کے تلف ہونے کا خطرہ ہے سر کے بال اور ناخن تک شامل ہیں جن
کے تراشنے سے زندگی پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا اور جسم کو رتی بھر نقصان نہیں پہنچتا۔ اور
ان دو متضاد انتہاؤں کے درمیان ہر اہمیت اور ضرورت کے بتدریج مراتب موجود
ہیں یہی حال پاک صحیفہ کے الفاظ کا ہے۔ اس میں ایسی تعلیم پائی جاتی ہے کہ جو اس
قدر ضروری ہے کہ اسے اس کی جگہ سے ہٹانے سے پاک کتاب کی ساری تعلیم برباد ہوتی
ہے۔ اور پھر کچھ ایسی باتیں ہیں کہ اگر وہ وہاں سے ضائع ہو جائیں تو تھوڑا بہت
نقصان تو ہوگا مگر تعلیم کے اہل اجزا قائم رہینگے اور پھر ایسے الفاظ یا فقرے ہیں کہ جن
سے تعلیم کی ساری زندگی یعنی اُن کے پورے مطلب پر اُن کے ہونے یا نہ ہونے سے
کوئی نمایاں اثر نہیں پڑتا۔ اور یہی وہ الفاظ یا فقرے ہیں جو متواتر نسخوں کے نقل ہونے
کے دوران میں جاتے رہے۔ الہام کا یہ اصول کم از کم اگر زیادہ نہیں تو اس اصول کے
برابر ہے کہ پاک صحیفوں کے تمام الفاظ اور حروف ضرور اہمیت عمق اور الہام اور الٰہی
خاصیت میں مساوی ہیں۔

گو یقین میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ نے نہایت عمدہ تمثیل پیش کی ہیں اس قدر
اور کہنا چاہتا ہوں۔ کہ جب خدا کوئی روحانی یا اخلاقی مطلب ہم تک پہنچانا چاہتا ہے تو وہ کئی
صورتوں سے پہنچا سکتا ہے۔ میرا اعتقاد ہے کہ جن لوگوں کو اس نے الٰہی مطلب
پہنچانے کے لئے اپنی روح سے ملہم کیا اُن لوگوں کو اس نے بڑی آزادی اس کے
پہنچانے میں بخشی۔ مثلاً خدا نے ایک ہی خیال یشعیاہ اور یرمیاہ کو دیا۔ لیکن آپ
دیکھینگے کہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف طریقوں اور مختلف لفظوں اور مختلف
طرزِ عبادت کے ذریعہ سے اُس ایک ہی الٰہی خیال کو پیش کرتے ہیں۔ خدا نے اُن نبیوں
کو اوزار یا آلہ کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا کا کوئی طرز
عبادت نہیں ہے۔ وہ اس محدودیت سے پاک ہے۔ مگر جو لوگ الہام میں انسانی

وسیلے کی کمی کا اعتراف نہیں کرتے وہ خدا کو اس محدودیت کے دائرہ میں لاتے ہیں۔

شیخ حسین۔ ایک اور بات مجھے دریافت کرنا ہے کہ کیا کسی پاک نوشتہ کا ترجمہ بالکل اصل کے مطابق ہو سکتا ہے خدا کے کلام کا ترجمہ کرنا کیسے ممکن ہے۔

کوہین۔ میری تشریح سے یہ مشکل بھی حل ہو جاتی ہے کہ الہام معانی اور مطلب میں ہے۔ اچھا ترجمہ معانی اور مطلب صحیح صحیح بتا دیتا ہے اور آیندہ وقتاً فوقتاً ترجمہ میں ترمیم کرنے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

الہام کے میرے اصول کے مطابق معانی و مطلب الہامی ہوتے ہیں۔ اور یوں اس سے یہ مشکل بھی حل ہو جاتی ہے۔ کسی عبارت کا صحیح مطلب اور اس کا اصلی مفہوم ترجمہ سے معلوم ہو جاتا ہے اور آئندہ ترجمہ میں بغرض ترمیم کرنے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ برعکس اس کے میرے اصول کے انکار سے اول تو یہ دقت پیش آتی ہے کہ جو عربی نہیں جانتے ہیں اُن کے لئے آپ کی کتاب بے معنی ہے۔ دویم اگر کوئی پاک زبان بسبب رائج الوقت نہ ہونے کے مُردہ ہو جائے تو اس زبان کی لکھی ہوئی پاک کتاب فضول اور بے معنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی مُردہ زبان کا جاننا طریق ترجمہ پر موقوف ہے۔

الازہر کا ایک شیخ۔ یہ درست ہے کہ بہت سے لوگ مثلاً ٹرکی اور ہندوستانی عربی نہ جاننے کے سبب قرآن نہیں سمجھ سکتے ہیں لیکن جب اس کی تشریح کی جاتی ہے تو مطلب سمجھ جاتے ہیں۔

کوہین۔ جناب نے بالکل صحیح فرمایا۔ دوسرے الفاظ میں مطلب الہام کا ضروری جزو ہے۔ اور یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ توریت کا صحیح ترجمہ پڑھتے ہیں وہ کس قدر زیادہ اس کے مطلب کو سمجھ کر الہام کے ضروری جزو سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

فہمی۔ جناب نے خوب فرمایا۔ یہ دلیل قابل غور ہے اور واقعی ہیں قرآن کی عربی کچھ حد تک ہمارے لئے بھی مُردہ زبان ہو چلی ہے۔ اس کے بہتر سے الفاظ اور فقرے اب متروک ہو گئے ہیں۔ اور اُن کو سمجھنے کے لئے جدید عربی میں ہمیں اُن کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ یہی تو علم تفسیر ہے۔ لہذا ترجمہ کو ناجائز ٹھہرانا خود الہام کے مقصد اور اس کے فائدے کا انکار کرنا ہے۔

احمد۔ جناب کوہن صاحب کے الہام کی تینوں صورتوں کا خلاصہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ الہام کی پہلی صورت قریب قریب وہی ہے جو قرآن کے لئے مانی جاتی ہے۔ دوسری اور تیسری صورتوں کی کوئی نظیر ہمیں اسلام میں نہیں ملتی سوائے سورہ فاتحہ کے۔ اگر اس کو توریت کی دعاؤں کے مانند مانا جائے پس یا تو ہم توریت کے تین حصوں میں سے دو حصوں کے الہامی ہونے سے انکار کریں یا یہ تسلیم کریں کہ الہام کی جن صورتوں سے ہم واقف ہیں خدا اُن سے زیادہ اور کئی طریقوں میں اپنا مکاشفہ ہمیں دے سکتا ہے۔ مجھے تقریر کرنے والے کے بیان اصول الفرام کفایت سے نہایت دلچسپی حاصل ہوئی جس کا یہ مطلب لیا گیا تھا کہ یہ لازمی نہیں ہے کہ خدا کا سارا مکاشفہ کتابی صورت میں جمع کیا گیا ہو۔ بلکہ انتظامِ الٰہی کے مطابق جس قدر ضروری تھا اُسی قدر جمع کیا گیا۔ اس سے مجھے یاد آتا ہے کہ قانون فطرت میں بھی یہ الٰہی اصول پایا جاتا ہے۔ اس سے مجھے ایک اور خیال پیدا ہوا کہ کیا یہ اصول قرآن کی تعلیم کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں۔ کیا ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ سارا کلام الٰہی جو لوح محفوظ پر نوشتہ تھا حضرت محمد پر نازل ہوا اور اگر ہوا تو کیا سارے کا سارا قرآن کی صورت میں اکٹھا کیا گیا ہے۔

شیخ حسین۔ جناب صدر صاحب واقعی ....!

صدر۔ احمد آفندی نے کچھ بے ترتیب باتیں کہی ہیں۔ مگر چونکہ اب وقت پورا

ہوگیا ہے لہذا اب ہم بحث موقوف کرتے ہیں لیکن تاکہ ہمارے بزرگ شیخ صاحب کو اپنے خیالات اور جذبات سے جو آپ کے دل میں اُٹھ رہے ہیں تسکین حاصل ہو ہیں کمیٹی کی طرف سے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آیندہ جلسے میں آپ قرآن کے الہام پر مضمون پیش کریں۔ اُس روز آج کے اعتراضوں کے جواب دینے اور اس پر اپنے عقیدہ کے اظہار کرنے کا کافی موقع ملیگا۔

دُوسرا مکالمہ

الہام پر اسلامی خیال

صدر۔ معزز حاضرین۔ کوہین آفندی سے ہم توریت کے الہامی ہونے کا بیان جو خود توریت کے مطالعہ سے ظاہر ہے سُن چکے ہیں۔ اور اب کمیٹی کا یہ فیصلہ ہے کہ قرآن کے الہام پر گفتگو کی جائے اور چونکہ اس مضمون پر کوہین آفندی کا خیال ہمارے اسلامی خیال سے بالکل برعکس ہے لہذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ کوہین آفندی کے خیال سے جس قدر زیادہ مختلف خیال ممکن ہو ہمارے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ہم دونوں خیالات کے درمیان نمایاں فرق آسانی سے دیکھکر اچھی طرح مقابلہ کرسکیں۔ بعد ازاں ہم اپنے مسیحی شرکا کے خیالات سُنیں گے۔ اب میں شیخ حسین۔ عبدالمجید تنطاوی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنا کلام شروع کریں۔

شیخ حسین۔ معزز حاضرین! مجھے اس موقع کے ملنے سے جو مسرت حاصل ہے

اس کے بیان سے میری زبان قاصر ہے کہ آخرکار مجھے اس انجمن کے شرکائے
سامنے الہام پہ اپنے صحیح اور کافی خیالات پیش کرنے کا موقع بخشا گیا جو دانا دل اور نادانوں
دونوں کی رُوح اور عقل کے لئے تسلی بخش ہے۔ علاوہ ازیں اس کی بنیاد اس کتاب
کے مطالعہ پر ہونے کے سبب سے جو لاریب کلام الٰہی ہے تمام اعتراضوں سے بری
ہے میں اُمید کرتا ہوں کہ اس خیال کے بیان سے آپ پر واضح ہو جائیگا کہ کیونکر
ہمارا الہامی تصورِ الہام ہمارے اسرائیلی دوست کے تصورِ الہام سے کہیں افضل ہے
اور خود اس کی تردید کرتا ہے

(۱) قرآن کی قدامت

معزز شرکای انجمن آپ کو معلوم ہو کہ قرآن شریف ایسی کتاب نہیں ہے جس کی
ہستی کی ابتدا زمانۂ آنحضرت سے ہوتی ہے جن کی معرفت یہ لوگوں پر ظاہر کیا گیا
بلکہ اس قسم کا بیان صرف حروف۔ اعراب اور تحریر کے متعلق درست ہے جو لکھنے میں
استعمال ہوتے ہیں کیونکہ یہ افعالِ انسانی سے ہیں۔ ایسا ہی ہمارے مشہور امام
اُبوحنیفہ نے فرمایا ہے۔ مگر کلماتِ قرآن صحیفوں پر نقل ہونے سے پیشتر موجود تھے
ہاں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر تواریخ سے آگے دُنیا سے قبل حتیٰ کہ خود
کائنات کی خلقت سے بھی پہلے ان کی ہستی تھی۔ غرضکہ قرآن غیر مخلوق ہے اور یہی
رای امام اعظم کی ہے جن کی رای خود قرآن شریف کے مطالعہ پر مبنی ہے۔ اور یہی
وہ اصول ہے جس پر اس انجمن کے شرکا نے الہام کی تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا ہے
(پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم متقدمین کے خیالات سے آگے نہیں بڑھ
سکتے۔ ہم صرف ان کی پیروی ہی کر سکتے ہیں)۔ مثلاً اُبوحنیفہ کہتے ہیں بِأَنَّ
اُلْقُرْاٰنَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَوَحْيُهُ وَتَنْزِيْلُهُ وَصِفَتُهُ لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهُ بَلْ
هُوَ صِفَتُهُ عَلَى التَّحْقِيْقِ مَكْتُوْبٌ فِي الْمَصَاحِفِ مَقْرُوْءٌ بِالْاَلْسُنِ مَحْفُوْظٌ

فِی الصُّدُوْرِ مِنْ غَیْرِ حَالٍّ فِیْھَا وَالْحُرُوْفُ وَالْحِبْرُ وَالْکَاغَذُ وَالْکِتَابُ کُلُّھَا مَخْلُوْقَۃٌ لِاَنَّھَا اَفْعَالُ الْعِبَادِ وَکَلَامُ اللّٰہِ تَعَالٰی غَیْرُ مَخْلُوْقٍ لِاَنَّ الْکِتَابَۃَ وَالْحُرُوْفَ وَالْکَلِمَاتِ وَالْاٰیَاتِ کُلُّھَا اٰلَۃُ الْقُرْاٰنِ لِحَاجَۃِ الْعِبَادِ اِلَیْہِ وَکَلَامُ اللّٰہِ تَعَالٰی قَائِمٌ بِذَاتِہٖ وَمَعْنَاہُ مَفْھُوْمٌ بِھٰذِہِ الْاَشْیَاءِ فَمَنْ قَالَ بِاَنَّ کَلَامَ اللّٰہِ تَعَالٰی مَخْلُوْقٌ فَھُوَ کَافِرٌ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ تحقیق قرآن خدا کا کلام ہے اور اُس کی وحی اور اُس کا اوتارا ہوا ہے اور اُس کی صفت ہے نہ عین اللہ ہے نہ غیر۔ بلکہ وہ صفت اُس کی بہ تحقیق لکھا ہوا ہے صحیفوں میں پڑھا ہوا ہے زبانوں پر۔ محفوظ ہے سینوں میں بغیر حلول کے اور حروف اور سیاہی اور کاغذ اور کتاب یہ سب چیزیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس واسطے کہ یہ سب بندوں کے کام ہیں اور اللہ تعالٰے کا کلام غیر مخلوق ہے کیونکہ کتابت حروف اور کلمات اور آیات یہ سب اسباب ہیں قرآن کے۔ بندے قرآن پڑھنے میں یوں سب اسباب کے محتاج ہیں اور کلامِ خدا صرف اُسی کی ذات سے ہے اور اُس کے معنے سمجھے جاتے ہیں ان سب اشیا سے پھر جو کہے کلام اللہ کا مخلوق ہے پس وہ کافر ہے اللہ عظیم کا۔"

پس تمام قرآن بطور صفت الٰہی ازل سے موجود ہے۔ انسانی اعمال جس طرح لوح محفوظ پر لکھے گئے تھے اسی طرح یہ بھی لکھا گیا تھا۔ اور پھر وہاں سے آسمانی لوگوں کے ذریعہ سے منتقل ہوکر آسمان کے سب سے نچلے طبق پر پہنچایا گیا۔ اور وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ حضرت جبرئیل کا ذکر ان کے نام کے ساتھ صرف ایک مرتبہ سورۂ بقر میں آیا ہے اور باقی جگہ اکثر رُوح الامین یا صرف ملک کے خطاب سے قرآن شریف میں مذکور کئے گئے ہیں۔

(۲) قرآن کی زمینی تواریخ

اس کی زمینی تواریخ ہمیں بتاتی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوقات وحی یا باری نہایت صفائی کے ساتھ عجیب وغریب علامات کے ذریعہ سے مشاہدات میں آئے تھے۔ ان سے پورا یقین ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں کوئی غیر الہامی جزو داخل ہونے نہیں پایا ہے۔ ہر مسلمان صحیح بخاری کی اس حدیث سے واقف ہے جہاں حضرت عائشہ سے اس پہلی وحی کا بیان مروی ہے کہ جب قرآن شریف کی پہلی سورۃ آنحضرت پر نازل ہوئی تھی (یعنے سورۃ العلق کی پہلی پانچ آئتیں) حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حارث ابن ہشام نے آنحضرت سے پوچھا کہ آپ پر وحی کیسے آتی ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح اور کبھی فرشتہ انسان کی صورت میں آکر مجھ سے گفتگو کرتا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ایک مرتبہ شب معراج کو آپ آسمان پر گئے اور پھر عرش پر بلا کسی وسیلے خود خدا سے کلام کیا۔ اب یہ کلام حجاب میں ہوا یا بغیر حجاب کے اس پر مفسرین کا اختلاف ہے لیکن بہر صورت آپ کے حواس بشری پر تبدیلی واقع ہوتی تھی اور آپ یا تو بیہوش ہو جاتے تھے یا وجد میں آجاتے تھے اور اس حالت میں وحی آپ پر اترتی تھی اور پھر ہوش میں آتے پر آپ وہ آیت لوگوں کو سنا دیتے تھے اور لوگ اسے سفید پتھروں۔ کھجور کے پتوں وغیرہ پر لکھ لیتے تھے یا حفظ کر لیتے تھے۔

آخر کار آنحضرت کی وفات کے بعد جب جنگ یمامہ میں بہتیرے حافظ مارے گئے اور کلام الٰہی ضائع ہو جانے کے خطرہ میں تھا تو خلیفہ نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ قرآن شریف کو پتھروں اور کھجور کے پتوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرے۔ یہ کام اس قدر سخت جانچ اور صحت کے ساتھ کیا جاتا تھا کہ کسی قسم کے اضافے یا کمی یا ذرا بھر تبدیلی کی گنجائش کا ہونا بالکل ناممکن تھا۔ پھر

اس کے چند سال بعد حضرت عثمان کا اجتماع قرآن صرف قریش کی قرأت کے مطابق اِن کو ترتیب دینے کی غرض سے تھا اور یہ صرف اس وجہ سے کیا گیا کہ دوسرے قبیلے کے لوگوں نے اصل قرأت کے خلاف پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

اِس عثمانی نسخے کی نقلیں دنیاءِ اسلام کے سب ملکوں میں بھیجدی گئی تھیں۔ اور آج تک کے تمام چھپے ہوئے یا لکھے ہوئے نسخے اِنہی نسخوں کی صحیح اور کامل نقلیں ہیں جن میں ذرا بھر کوئی نقص نہیں ہے۔

قرآن کے عرش معلےٰ سے نزول ہونے سے لیکر متواتر اس کے آجتک کے واقعات کا پورا سلسلہ ہمارے پاس موجود ہے جن سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ قرآن شریف کا یہ نسخہ جو میرے ہاتھ میں ہے اُس کا ایک ایک حرف اس کے الفاظ کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک حرف خدا کا ازلی غیر متغیر اور لاتبدیل کلام ہے۔

یہ قرآن کے الہام کے متعلق اصل خیال ہے۔ اور ظاہر ہے کہ الہام کا سب سے اعلیٰ تصور یہی ہے۔ اب اس سے بڑھکر اور کونسا تصور اعلیٰ اور برتر ہوسکتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ الہام میں مراتب ہیں۔ ہمارے علما نے ان کو تسلیم کیا ہے اور ان کی تقسیم بتائی ہے لیکن یہ قسم یقیناً اور سب سے افضل و برتر ہے۔ اِس لئے جس کتاب میں اس قسم کا الہام یعنی وحی پایا جائے وہ سب سے اعلےٰ اور آخری کتاب ہے اور اس کتاب کا مذہب برحق مذہب ہے کیونکہ صرف یہ مذہب یہ کتاب اور یہ الہام ہمیں پورے طور پر یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے پاس کامل اور خالص کلام الٰہی۔ کامل سچائی اور اس جہان اور آنے والے جہان کے متعلق سچی خبریں موجود ہیں۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔ اور اُن کتابوں کے حامی جو مقدس کہلاتی ہیں فی الحقیقت میرے دعوے کی تائید کرتے ہیں مجھے ان سے بحث نہیں کہ موجودہ توریت اصل توریت ہے یا نہیں۔ یا موجودہ انجیل سچی انجیل ہے یا نہیں لیکن اگر ان کا اصل ہونا مان بھی

لیا جائے تو خود کوہن آفندی کے اقرار کے بموجب ان کتابوں میں اس قسم کا کامل اور واقعی الہام نہیں پایا جاتا ہے۔ ان کے پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمیشہ ان میں خدا پیغمبر سے خطاب نہیں کرتا ہے۔ ان میں تواریخی بیان۔ غزلیں، مناجاتیں۔ خطوط۔ روایتیں وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ جو انسانی تحریریں ہیں اور بسا اوقات جن کے مصنفوں کے الہامی ہونے کا کوئی دعویٰ بھی نہیں پایا جاتا۔ اب ہم ان کے متعلق کیا کہیں۔ اس کا جواب صاف ہے کہ اگر ہم ان کا الہامی ہونا مان بھی لیں تو بھی یہ الہام ایک ادنیٰ قسم اور مرتبے کا الہام ہوگا۔ لہذا قرآن اگرچہ باعتبار زمان آخری کتاب ہے تو بھی باعتبار سب سے اول ہے۔ کیونکہ الہام اس میں اپنے عروج تک پہنچا ہے۔ اس لئے اسلام آخری اور حقیقی مذہب ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح کے مذاہب اسلام کی تیاریاں تھے اور اب ان کو آنحضرت کے مذہب کے آگے سر جھکانا ضرور ہے۔

صدر۔ حاضرین! آپ صاحبان نے شیخ حسین کی تقریر سنی ہے اور الہام پر اہلسنت والجماعت کی تعلیم معلوم کی ہے۔ یہ اتنی آسان اور مکمل ہے کہ میرے خیال میں اس پر نہ زیادہ سوالات کی گنجائش نظر آتی ہے اور نہ ان کے خلاف کوئی اعتراض پیش کیا جا سکتا ہے۔ پھر بھی اگر کسی صاحب کو کوئی سوال یا اعتراض پیش کرنا ہے تو مجھے یقین ہے کہ ہمارے قابل واعظ اس کو حل کریں گے۔

حنا۔ جناب صدر انجمن صاحب۔ شیخ صاحب کی تقریر سے بہت سے اعتراضات میرے دل میں پیدا ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں الہام کا یہ اصول اتنا سیدھا سادہ نہیں ہے جیسا عموماً لوگ اسے مانتے ہیں اور اسے تو ہم ایسا معیار مقرر کر ہی نہیں سکتے کہ جس سے ہماری کتابوں کا اندازہ لگا کر اسے رد کر دیا جائے۔ اب جن باتوں پر میں نے غور کیا ہے میں بیان کرونگا۔

قرآن کی قدامت کی جانچ

اول یہ کہ قرآن غیر مخلوق ہے مجھے قرآن یا کسی کتاب کے لئے اس دعوے کو تسلیم کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن الٰہی خیال میں پیشتر سے موجود تھا۔ تو یہ بات ہر چیز کے لئے درست ہے۔ پھر قرآن کے لئے اس میں کیا خصوصیت ہے؟ اور یہ بات لوح محفوظ کے قرآنی بیان سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تمام افعال انسانی اس پر لکھے ہوئے ہیں۔ صرف قرآن میں نہیں (سورہ یٰسین - ۱۲ آیت)۔

شیخ حسین۔ نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جس معنی میں انسانی افعال الٰہی علم میں موجود تھے اس سے مختلف معنے میں قرآن کا مدلول حقیقی معنی میں ذات الٰہی میں موجود تھا۔ جب انسانی افعال علم الٰہی میں تھے اس وقت اُن کی ہستی نہیں تھی لیکن قرآن موجود تھا۔ ٹھیک جس طرح صفاتِ الٰہی ذات الٰہی میں موجود تھیں اُسی طرح قرآن بھی موجود تھا۔ کیونکہ ہمارے اعتقاد کے بموجب قرآن کا مدلول خدا کی ایک لازمی صفت ہے۔ مثلاً جس طرح کوئی ایسا زمانہ نہیں تھا کہ جب خدا کا علم موجود نہ ہو۔ اسی طرح کوئی ایسا زمانہ بھی نہیں تھا کہ جب قرآن کا مدلول موجود نہیں تھا۔

حنا۔ اگر قرآن میں الٰہی صفات کے متعلق عام بیان مسلسل مقدمات کی صورتوں میں ہوتے تو شاید آپ کے بیان کا کوئی مطلب نکال لینا ممکن ہوتا۔ کیونکہ اس حالت میں یہ ممکن تھا کہ ہم اُن بیانات سے خدا کا خود اپنا اظہار سمجھتے جن سے اسکی صفات بحیثیت مجموعی ظاہر کی گئی ہے۔ اور اس معنی میں ممکن ہے کہ کھینچ تان کر یہ کہتے کہ یہ کتاب غیر مخلوق ہے جس سے یہ مراد ہوتا کہ اس میں غیر مخلوق باتوں کا یعنی خدا کی ازلی صفات کا ذکر ہے لیکن حقیقت میں قرآن کا سب سے بڑا حصہ دُنیاوی واقعات و قصص انبیا اور حادثات منکرین وغیرہ سے پُر ہے۔ اب الٰہی علم سے مختلف معنی میں ذات الٰہی میں ان کا کیونکر کوئی حصہ ہو سکتا ہے۔

شیخ عبداللہ ۔ قرآن سے ازلی اخلاقی قانون ظاہر ہوتا ہے اور یوں الٰہی قدومیت کی طرح یہ بھی خدا کی ایک صفت ہے۔

جرجیس ۔ جناب یہ بھی غلط ہے کیونکہ قرآن کے بہت سے احکام صرف عارضی اور اتفاقیہ ہیں اور بعض باتیں مثلاً محمد صاحب کے خانگی اور ذاتی معاملات کے متعلق بالکل خفیف معاملوں کے لئے ہیں اور بعض تو بالکل عارضی ہیں جو صرف چند برسوں تک رہے ۔ اور پھر منسوخ ہو گئے ۔ ان احکام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو ازلی اخلاقی قانون سے کوئی واسطہ نہیں ۔ بلکہ اُن کا مُدعا صرف کسی اتفاقیہ ضرورت اور کسی خاص تواریخی موقع کی ہدایت کرنا تھا ۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے ملکی معاملات یا ان کے متعلق ہدایات خدا کی لازمی صفت میں داخل تھے ؟

حنّا ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یا تو قرآن اسی معنی میں پیشتر سے موجود تھا جس معنی میں دیگر واقعات الٰہی علم میں موجود تھے جس صورت میں قرآن ایک از خواص عارضی ہے اور اُسے دوسرے خواص عارضی پر کوئی فوقیت نہیں ہو سکتی یا آپ تواریخ کے محدود واقعات کو خدا کی ازلی زندہ صفات کا جزو قرار دیں ۔ اس صورت میں محدود کو ذات لامحدود کا شریک ٹھہرانا ہو گا اور اسی کا نام شرک اور کفر ہے ۔

الہندی ۔ یہ بالکل درست ہے کہ قدیم زمانہ میں علما کو یہ دقت پیش آئی تھی اور یوں بعض نے یہ قرار دیا تھا کہ قرآن کا کچھ حصہ ازلی اور کچھ عارضی ہے ۔

حنّا ۔ بہت خوب ۔ تو پھر اس الہامی کتاب کی صفت یک جنسیت کہاں رہی ۔ اور اس کی غیر مخلوقیت یا قدامت بہ حیثیت کتاب کیسے قائم رہیگی ؟ اور یہ تصور الہام میرے خیال میں ادنیٰ قسم کا اور ذات الٰہی کو محدود کرنے والا ہے اور اس لئے یہ ذات باری تعالےٰ کی شان کے لائق نہیں ہے ۔ اور اس تصور سے جو منطقی لغویات نکلتے ہیں ان پر ہم غور کر چکے ہیں ۔

فہمی۔ لیکن اگر کتاب کا وجود مسلم نہیں ہے تو پھر تنزیل اور وحی کی ساری تعلیم کے کیا معنی ہیں؟ اگر کوئی چیز نازل کرنے کو نہیں تھی تو نزول بھی نہیں ہوا یعنی الہام یا وحی کوئی شے نہیں ہے۔

حسنا۔ معاف کیجئے۔ ممکن ہے کہ الہام ایک حقیقت ہو اور تنزیل کی تعلیم صرف ایک فرضی مسئلہ ہو جسے لوگوں نے الہام کی علت کو ظاہر کرنے کے لئے غلطی سے فرض کر لیا ہو۔ میں الہام کا قائل ہوں لیکن میرے خیال میں تنزیل کا اصول غلط ہے اور اس سے الہام کا تصور بجای اعلے ہونے کے ادنیٰ ہوتا ہے (۱) اس لئے کہ تنزیل کا اصول لوگوں کی توجہ بجای معنی ونفس مطلب کی طرف پھیرنے کے الفاظ کی طرف مائل کرتا ہے اور یوں مقصد وسیلہ اور وسیلہ مقصد بن جاتا ہے اور (۲) اس لئے کہ ملہم شخص کی تمام منزلت اس سے زائل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی سمجھ اور اس کی دوسری طاقتوں کا الہام میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ شخص ملہم گراموفون کی طرح ایک کلدار آلہ بن جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا کسی خاص نبی کی جگہ کسی اور کو بھی ہاں کسی غیر انسانی ہستی کو بھی اپنے مکاشفہ کے پہنچانے کا وسیلہ بنانے کے لئے چن سکتا ہے بلکہ اگر خدا اپنے اس مدعا کو پورا کرنے کے لئے کوئی فونوگراف پیدا کرتا تو اور بھی صحت کے ساتھ اس کے الفاظ ہم تک پہنچتے اور بڑی خوبی کے ساتھ یوں اس کا کلام ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتے ہوئے انسانی لاپروائی اور غلطی سے محفوظ رہتا۔ اب اگر کوئی خیال کرے کہ وحی اور تنزیل کی تعلیم اس طرح ملحق ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے تو مناسب ہے کہ غلط فہمی اور اختلاف کے رفع کرنے کے خیال سے لفظ وحی مطلق ترک کر کے صرف الہام استعمال کرنا زیادہ بہتر اور درست ہوگا۔

عثمان۔ نہیں۔ نہیں۔ لفظ وحی صرف قرآن ہی کے لئے مستعمل نہیں ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت پر ہمیشہ ایک قسم کی حالت وحی رہتی تھی۔ اور یوں آپ کا ہر قول اور فعل جو حدیث میں آیا ہے وحی کا مرتبہ رکھتا ہے اور ہم کو ان کی اطاعت و پیروی لازم ہے اور ہم اسے الہام کہتے ہیں اور اس کا مرتبہ وحی سے کم ہے۔

حنا۔ بہت خوب۔ میں آپ کے دعوے کے آخری جزو پر کوئی بحث نہیں کرونگا۔۔۔ آپ واقف ہیں کہ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے لیکن صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ الہام کا یہ تصور واقعی ادنےٰ نہیں بلکہ اعلےٰ ہے۔ اور اس کے سامنے قرآنی تصور مع اپنے لوح محفوظ اور تنزیل کی آرائیشوں کے جو مسلمانوں کے خیال میں ایک اعلیٰ تصور ہے فضول اور بے فائدہ رہ جاتا ہے

شیخ حسین۔ مستند مفسرین کے بیان کے مطابق الہام قرآنی یعنے وحی متلو سب سے اعلیٰ قسم کی وحی ہے اور بس اتنا جاننا ہمارے لئے کافی ہے ان باتونکی کیفیت کے بارے میں زیادہ باریکی سے تلاش کرنا کفر ہے۔

حنا۔ یہ تو آپ ہی کی باریک بینی ہے جس کے ہیں خلاف ہوں اور جس سے کوئی نفع نہیں اور سوای غلط فہمی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اب اس قرآن کے وحی پر نکتہ چینی کرنیکے بعد میں اس کے زمین پر ظاہر ہونے کے بعد کی نقل اور منتقل ہونے کے تواریخ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

قرآن کی زمینی تواریخ پر تنقید

حنا۔ قرآن کی قدامت اور اس کے نزول اور لفظی الہام کی تنقید کرنے کے بعد میں اس کے نقل و منتقل ہونے کی بابت کچھ خیال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس موقع پر میرا دعویٰ یہ ہے (۱) کہ یقینی طور پر یہ مان لینا کہ جو کچھ نازل ہوا تھا سب کا سب ہم تک پہنچا ہے ناممکن ہے یا (۲) یہ کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس میں بعینہ وہی باتیں ہیں جو محمد صاحب کے لبوں سے نکلی تھیں۔

کوہن۔ یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ جو مانتے ہیں کہ جو کچھ خدا نے کتاب کی صورت میں جمع ہونے دیا اس میں التزام کفایت کو دخل ہے اور یہ کہ الہام نفس مطلب میں ہوتا ہے نہ کہ لفظوں میں ان کے لئے اس میں کوئی دقت نہیں ہے۔ لیکن جن کا یہ اعتقاد ہے کہ الہامی کلام اپنے مقدار میں محدود ہے اور ان کے الفاظ و معانی بالکل مقرر ہیں ان کے لئے یہ بات نہایت دقت طلب اور مشکل ہے۔

شیخ حسین۔ بالکل درست اور اسی سبب سے قرآن شریف کے نقل ہونے کا بیان ہم مسلمانوں کے پاس موجود ہے کہ جس میں ذرا بھر بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

حنا۔ مجھے اس کے ماننے سے انکار ہے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ نہایت خوب ہے۔ اور یہ مان لینے کے لئے کہ قرآن میں محمد صاحب کی تعلیم کا خلاصہ پایا جاتا ہے یہ بیان کافی ہے لیکن ایسی کتاب کے لئے کہ جس کا دعویٰ قرآن کے دعوے کی مانند ہے کافی نہیں ہے۔ اس کتاب کے لئے بہ نفی و بہ اثبات یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ پورے کا پورا مکاشفہ جمع کیا گیا ہے اور یہ دکھانے کی ضرورت ہے کہ کامل صحت کے ساتھ ہر بات جمع کی گئی ہے اور ذرہ بھر فرق کے بغیر ہر بات نسخے میں نقل کی گئی ہے۔

شیخ حسین۔ میں نے یہ کیا ہے۔

حنا۔ آپ نے یہ بالکل نہیں کیا ہے۔ اول تو زید کے اجتماع قرآن کے متعلق معتبر حدیثیں ہمیں بتاتی ہیں کہ تمام سورتیں یا آیتیں جو آنحضرت نے فرمائی تھیں تحریر نہیں کی گئی ہیں ان میں سے بہتیری آیتیں و سورتیں صرف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ برسوں عرصہ گذرنے پر لوگوں کی یادداشت سے زید نے انہیں لکھا۔ ہم کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ لوگوں کے حافظہ نے انہیں دھوکا نہیں دیا۔ حقیقت میں تنقیدی نقطۂ نگاہ سے ان کا مرتبہ حدیث کے برابر ہے لیکن پھر بھی بارہا میں نے سنا ہے کہ مسلمان

انجیل پر اعتراض کرتے وقت کہتے ہیں کہ جو روایت اُسی وقت تحریر نہ کر لی گئی ہو اس کے لفظی صحت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اب یہ اعتراض اُلٹا خود قرآن پر عائد ہوتا ہے کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ کون سے حصے زید نے "کھجور کے پتوں اور سفید پتھروں" سے نقل کئے جن پر ابتداءً یہ تحریر کئے اور کون سے حصے "آدمیوں کے سینوں" سے جمع کئے اور یوں ہم قرآن کی ایک آیت کی بھی لفظی صحت کا یقین نہیں کر سکتے۔

کوہین۔ علاوہ ازیں ہم زید کے اجتماع قرآن کی بابت پڑھتے ہیں کہ دو گواہوں کی شہادت پر صرف آیت قبول کی جاتی تھی مگر ممکن ہے کہ کوئی اصل آیت صرف ایک گواہ کو معلوم ہو اور وہ رد کر دی گئی ہو اور دو گواہوں کی کوئی جعلی آیت یا کم از کم لفظی اعتبار سے غلط آیت یاد ہو اور وہ لکھ لی گئی ہو۔ یہ ایسے اعتراض ہیں آپ کے لئے ان کا جواب دینا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ یقین اغلب ہے کہ اس قسم کی غلطی ہوئی ہے۔

چنانچہ اجتماع قرآن کے مقررہ اصول کے خلاف ایک آیت کا قرآن میں شامل کر لینے کی یہ مثال موجود ہے کہ جب خارج ابن زید ابن ثابت نے دیکھا کہ ایک آیت صحیفۂ عثمان اور غالباً صحیفۂ ابوبکر میں نہیں ہے تو اس نے بغیر کسی کی صلاح و مشورہ کے اسے قرآن میں داخل کر لیا۔ بخاری کا بیان ہے۔ "زید ابن ثابت نے کہا جب میں قرآن لکھ رہا تھا تو مجھے ایک آیت جو میں نے آنحضرت سے سُنی تھی نہیں ملی۔ پھر میں نے اس کی تلاش کی اور وہ مجھے خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی اور میں نے اسے مصحف میں لکھ لیا۔" (ملاحظہ ہو کتاب فضائل القرآن)۔

جرجیس۔ اور اگر حقیقتاً ہم یہ ثابت کر دیں کہ اس واقعہ کے علاوہ قرآن میں اضافہ ہوا ہے۔ تب آپ کیا کہیں گے؟

حسین۔ یہ آپ ہرگز نہیں ثابت کر سکتے۔ الحمد اللہ کہ یہ تو آپ مسیحیوں اور یہودیوں ہی کے حصہ میں آیا ہے۔

جرجلیس۔ غلط۔ پہلے مجھے یہ بتائیے کہ قرآن پر ابنِ مسعود کی سند معتبر ہے یا نہیں؟

حسین۔ سب سے زیادہ معتبر ہے۔ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ "قرآن ان چار سے سیکھو۔ عبداللہ بن مسعود۔ ابی۔ سالم اور معاذ۔ اور مسلم میں عبداللہ ابن مسعود سے خود مروی ہے کہ وہ برملا دعوے سے کہتے تھے کہ "بہ تحقیق اصحاب رسول کو خوب معلوم ہے کہ میں ان سب سے کتاب اللہ زیادہ جاننے والا ہوں"۔ اور سنن ابن ماجہ باب فضائل اصحاب رسول اللہ میں ابوبکر اور عمر کا مقولہ درج ہے کہ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس کا جی چاہے کہ قرآن کو تازہ بتازہ پڑھے جیسا وہ نازل ہوا تو چاہیئے کہ ام عبد کے بیٹے (یعنی عبداللہ بن مسعود) کی قرأت پر پڑھے"۔

جرجلیس۔ اچھا جناب تو کیا آپ واقف ہیں کہ ابن مسعود نے عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن کے ماننے سے انکار کیا اور یہ کہ اس نے اہل عراق کو نصیحت کی کہ اے اہل عراق اپنے قرآنوں کو چھپا ڈالو اور انہیں مقفل کر ڈالو۔ اور کیا آپ نہیں جانتے کہ اس کا اپنا نسخہ زبردستی سے چھین کر عثمان نے جلا ڈالا اور ابن مسعود کو مار ڈالا۔ اور کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ابن مسعود نے صحیفۂ عثمانی کی پہلی اور آخری سورتوں کو اصل قرآن کا جزو نہیں مانا اور اس لئے انہیں اپنے قرآن میں شامل نہیں کیا تھا۔ پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ قرآن میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ یہ واقعات اس اضافہ کے صریح ثبوت ہیں (خاموشی۔ مسلمان حیرت زدہ معلوم پڑتے ہیں)۔ جناب پولوس صاحب اب آپ کو ان آیتوں کی نسبت کیا کہنا ہے جو قرآن سے نکال دی گئی ہیں۔

پولوس۔ قبل اس کے کہ میں خاص طور پر اس بات کا کچھ ذکر کروں۔ اس موقع پر میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ شیعہ کے لاکھوں مسلمان مانتے ہیں کہ عثمان کے جمع کئے ہوئے صحیفہ میں کمی بیشی ہوئی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ تمام آیتیں جو علی کی تعریف میں تھیں عثمان نے نکال ڈالی ہیں۔ اور ان کے پاس ایک پوری سورت ہے جسے وہ کہتے ہیں کہ عثمان

نے قرآن سے خارج کر دیا ہے۔ بہر حال اتنا تو یقینی ہے کہ ابن مسعود کی طرح علی نے اپنے نسخہ کو صحیح کرنے کے لئے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ یہ جیسا ہے ویسا ہی صحیح ہے۔ اب (جیب سے ایک ٹکڑا کاغذ نکالکر) جو کچھ کوہین آفندی نے کہا ہے اُس کی تائید معتبر حدیثوں سے ہوتی ہے مثلاً صحیح مسلم کے کتاب الزکوٰۃ میں ابو الاسود سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے بصرہ کے تین سو قاریوں کے سامنے کہا کہ "ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جو طول اور وعید کے لحاظ سے سورۂ توبہ کے برابر تھی مگر میں اس کو بھول گیا اور اس میں سے مجھ کو صرف اس قدر یاد رہ گیا۔ اگر بنی آدم کو مال سے بھری ہوئی دو وادیاں ملتیں تو وہ تیسری وادی کے طلبگار ہوتے اور ابن آدم کا پیٹ نہیں بھرتا مگر خاک سے۔ اور ہم ایک اور سورۃ پڑھا کرتے تھے جو مسبّحات کی سورتوں میں سے ایک کی مانند تھی میں اس کو بھی بھول گیا اور اس میں سے صرف یہ یاد رہ گیا۔ اُے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو کرتے نہیں اس کی گواہی تمہاری گردنوں میں لکھ دی جاتی ہے اور اس کے بابت قیامت کے دن تم سے سوال ہوگا۔ قرآن عثمانی میں نہ تو یہ آیتیں موجود ہیں اور نہ یہ سورتیں پائی جاتی ہیں۔ پھر ایک اَور حدیث کے مطابق حضرت عائشہ کہتی تھیں: (جلال الدین نے اس کا حوالہ ابن ابو مریم۔ ابو الہیفہ اور عروہ ابن الزبیر کی سند پر دیا ہے) کہ سورۂ احزاب جیسے آنحضرت کے زمانہ میں پڑھی جاتی تھی اُس میں ۲۰۰ دو سو آیتیں تھیں لیکن جب عثمان نے قرآن کو لکھوایا تو ہم کو اس سے زیادہ نہ ملی جتنی وہ اب موجود ہے (اب احزاب میں صرف ۷۳ آیتیں ہیں تو اس حساب سے ۱۲۷ آیتیں گُم ہو گئیں) اور اسی سورۃ میں آیت الرجم بھی تھی۔ میں ایک حدیث کا بیان ہے کہ ابن حبش نے کہا کہ کیا ابن کعبؓ کہ سورہ احزاب میں کتنی آیتیں ہیں میں نے کہا ۷۲ بہتر یا ۷۳ تہتر۔ اُس نے کہا کہ پیشتر سورہ احزاب سورۃ البقر کے برابر تھی۔ اور بخاری نے اپنی تواریخ میں حذیفہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ کہا

حذیفہ نے کہا میں نبی کے سامنے سورہ احزاب پڑھتا تھا لیکن اب میں اس کی ستر آیتیں بھول گیا ہوں اور پھر مجھے نہیں ملیں۔ جلال الدین نے عائشہ سے ایک اور حدیث بیان کی ہے (عبید ابراہیم۔ ایوب اور نافی کی سند پر) کوئی تم میں سے کہتا ہے کہ میرے پاس سارا قرآن ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو اب لوگوں کے پاس ہے وہ سارا قرآن نہیں ہے کیونکہ اس کا ایک بڑا جزو خارج کر دیا گیا ہے۔ مگر میرے پاس وہ حصہ جو بچ رہا موجود ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ میں نے علی ابن ابی طالب سے پوچھا کہ بسم اللہ سورہ برائت میں کیوں نہیں لکھی گئی۔ اس نے کہا کہ بسم اللہ ایمان کے لئے ہے لیکن سورہ برائت جنگ کے لئے نازل کی گئی ہے۔ اور مالک سے ایک حدیث ہے کہ جب سورہ برائت کا پہلا حصہ ضائع ہو گیا تو بسم اللہ بھی اُس کے ساتھ جاتی رہی لیکن اگر اس کی باقی آیتیں بھی موجود ہوتیں تو یہ سورہ البقر کے برابر ہوتی۔ اب ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن میں بہت تنقیص ہوئی ہے۔ اس لئے آپ کے ازلی کلام الٰہی میں نقص (کمی) ہے۔

حنا۔ لیکن سب سے نمایاں کمی آیت الرجم کی ہے۔ یہ وہی آیت ہے جسے یہودیوں نے توریت سے خارج نہیں کیا لیکن مسلمانوں نے زیادہ نرمی اختیار کی! یہ واقعہ مسلمانوں کی بڑی معتبر کتاب سیوطی کی اتقان میں یوں درج ہے۔ "سورۃ الاحزاب میں آیت الرجم تھی۔ ابن کعب نے کہا آیت الرجم کیا ہے۔ ابن حبش نے کہا اگر کوئی مرد یا عورت زنا کرے تو انہیں پتھراؤ کرو"۔

"عائشہ۔۔نے کہا کہ جو سورۃ الاحزاب میں اب پڑھتی ہوں وہ نامکمل ہے۔ آنحضرت کے وقت میں دو سو آیتیں اس میں تھیں۔ اور جب عثمان نے قرآن ترتیب دیا تو بغیر تصدیق کے کوئی آیت اس نے قبول نہیں کی اور اسی سورۃ میں آیت الرجم تھی۔ الہندی۔ بیں اس بات کا مقر ہوں کہ اس آیت کے گم ہو جانے کا بیان اگرچہ سچ

معلوم ہوتا ہے تاہم مہمل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عائشہ نے بیان کیا کہ آیت الرجم اور آیت الرضاعتی یہ دونو آتیں نازل ہوئی تھیں اور لکھ لی گئی تھیں اور کاغذ میرے بستر کے نیچے رکھا تھا۔ اور جب آنحضرت کا انتقال ہُوا ہم سب تجہیز و تکفین میں مصروف تھے ایک بکری کمرے میں گھس گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت قرآن میں نہیں پائی جاتی۔

حنا۔ یہ آپ کے اس دعوے کی کہ خدا اپنے کلام کی حفاظت کرتا ہے کہ اس میں ذرا بھی اختلاف یا شک کی گنجائش نہ ہونے پائے کیسی قاطع تفسیر ہے۔ خدا نے اس بکری کو اس فعل سے کیوں نہ باز رکھا (مسلم اراکین پر سناٹے کی خاموشی چھاگئی)

شیخ حسین۔ جناب صدر مجلس صاحب۔ یہ گفتگو نہایت بیہودہ ہے۔ قرآن شریف پر حملہ کرنے کا جُرم نہایت سنگین ہے اور آنحضرت نے بھی یہی فرمایا ہے۔

حنا۔ شیخ صاحب۔ آپ غور کیجئے کیونکہ ہم لوگ اس وقت قرآن پر حملہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس کے الہام کے صرف ایک اصول پر۔ میں مانتا ہوں کہ الہام کے کسی دوسرے اصول کی روشنی میں یہ کمی یا تبدیلیاں بے موقع معلوم نہ ہونگی۔ لیکن آج کل کے اسلامی مسلّمہ اصول کے سامنے جس پر ہمارا اعتراض ہے یہ چھوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ نہایت اہم ہیں۔ ان سے یا تو آپ کو اپنا اصول الہام بدلنا پڑیگا یا آپ پر اپنی کتاب کا انکار لازم آئیگا کیونکہ اصول قدامت۔ تنزیل لفظی الہام۔ اور لفظی صحت کے ساتھ ان کا تحریر میں آنا یہ ساری باتیں ایک دوسرے سے آپس میں تعلق رکھتی ہیں۔ اور آخری بات پر یعنی تحریر کی لفظی صحت پر اس اصول کی سچائی کا مدار ہے کیونکہ قرآن کے مصنّف یعنی خدا کے عین الفاظ کا پڑھنا تب ہی ممکن ہے کہ اس کی ترتیب لفظی صحت کے ساتھ ہوئی ہو۔ اگر آپ اس کے ثابت کرنے سے قاصر رہے تو آپ کے الہام و وحی کا سارا اصول بیکار ہے

کیونکہ اگر الہام یا وحی کے الفاظ لفظ بلفظ بجنسہٖ محفوظ نہیں تو تنزیل اور لفظی الہام سے کیا فائدہ ؟ اور مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ واقعی محفوظ نہیں رہے۔ پس میرے اس کلام کا نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ عین صحت اور درستی کے ساتھ قرآن کے تحریر ہونے کی شرط نہ پوری ہوئی ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے اس لئے لفظی الہام کا اصول مع اس کے ساتھ کی باتوں کے یعنی تنزیل اور قدامت کے ماننے سے انکار لازم آتا ہے۔ اور دیگر وجوہات بھی ہیں اسی نتیجے کو پہنچاتی ہیں۔ پس اس قید سے چھوٹ کر ہم الہام کے نہایت ہی روحانی اصول کو قبول کرنے کے لئے آزاد ہیں۔

یونس۔ علاوہ ازیں اس سے وہ تمام اعتراضات جو توریت اور انجیل پر تحریر اور ترتیب کے لحاظ سے کئے جاتے ہیں ساقط ہو گئے۔

شیخ عبداللہ۔ تم ہم لوگوں سے خدا کا کلام بلکہ خود ہمارے خدا کو ہم سے چھینے لیتے ہو۔ کیونکہ جب تک ہمارا اعتقاد ایسی کتاب پر نہ ہو کہ جس میں انسان کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ جس کا ہر حرف خدا کا ہے میں خدا پر ایمان لانے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔

حنا۔ برادرمن، اہل اسلام بھی الہام کو انسانی عنصر سے بری نہیں رکھ سکے۔ جس طرح ہر کتاب کے تحریر و نقل میں انسان کو دخل ہے خاصکر ان کتابوں میں جو قرآن کی طرح ہیں۔ اسی طرح قرآن کی تحریر و نقل میں بھی انسانی دخل تھا۔ مختصر یہ کہ اگر آپ کے ایمان کی بنیاد کتاب ہی پر بحیثیت کتاب کے ہے تو آپ کے لئے کوئی امید نہیں ہے۔ اول اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی سے بڑی احتیاط کے باوجود بھی اصل عبارت کے بعینہٖ نقل و تحریر ہونے کا کوئی ثبوت بہم پہنچانا ناممکن ہے۔ دوم اس اصول سے حروف کی جس پابندی کے ساتھ پروا کی جاتی ہے اس سے حروف کی پرستش اور اس کے نفس مطلب سے لاپروائی کی طرف زیادہ طبیعت کا میلان ہوتا ہے خدا اپنے پاک صحیفوں کے حاشیے پر ہر اختلاف عبارت کو قائم رکھکر ہمیں یہ سبق سکھاتا ہے

الہندی ۔ کم ازکم قرآن کی عبارت توریت اور انجیل کی عبارت سے کہیں زیادہ یکساں ہے۔

حنا۔ درست ہے لیکن اس سے آپ کے اصول پر کوئی اثر نہیں پڑتا علاوہ ازیں قرآن کے تمام نسخے ایک نسخہ کی نقل ہیں اور وہ نسخہ اب موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں وہ نسخہ بھی آنحضرت کے بعد جمع کرکے مرتب ہوا ہیں خود عثمان کے ایک بھی نسخہ کا قائل نہیں ہوں۔ اور مجھے پورا یقین نہیں ہے کہ پہلی صدی ہجری کا ایک بھی نسخہ کہیں ملیگا۔ لیکن اگر عثمان کا کوئی نسخہ موجود بھی ہو تو یہ بھی آنحضرت کے الفاظ کی تحریروں کی ایک غیر مکمل نقل ہوگی۔ غرضکہ میں یہ بخوشی ماننے کے لئے تیار ہوں کہ نفس مطلب کے اعتبار سے آپ کا نسخہ صحیح ہے لیکن اس کا لفظی طور پر صحیح ہونا یا نفس مطلب کے اعتبار سے کامل ہونا میں ہرگز نہیں مانتا۔

پولوس ۔ علاوہ ازیں چونکہ وہ نسخے جن کی یہ نقلیں ہیں تلف ہوگئے ہیں اس لئے ان موجودہ نسخوں کے یکساں ہونے کی وقعت اور بھی کم ہوگئی ہے کیونکہ ہمارے پاس ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا کہ یہ موجودہ نسخے واقعی درست اور صحیح ہیں۔ عثمان کا موجودہ قرآن کو ترتیب دینے کے بعد باقی نسخوں کو جلا ڈالنے کا واقعہ فی الحقیقت یہ ثابت کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ غلطیاں قلمبند ہوکر برابر قائم رہ گئی ہیں۔ برعکس اس کے ہمارے صحیفوں کے قلمی نسخے قدیم دنیائے مسیحیت کے ہر چہار اطراف سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اور ذرا بھی اختلاف عبارت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ ان اختلافوں کا آپس میں مقابلہ کرکے آپ نفس مطلب تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور خود ان کا اختلاف اصل نفس مطلب کے غیر محرف ہونے پر شہادت دیتا ہے۔ فرض کیجئے کہ دو استادوں نے دو مختلف مضامین لڑکوں کو زبانی تحریر کروائے۔ پہلے استاد نے ایک لڑکے کی تحریر کے سوا باقی سب کی تحریریں ضائع کردیں اور اس کی اصلاح نہیں کی لیکن دوسرے

استادوں نے تمام تحریروں کو مع اُن کی غلطیوں کے قائم رکھا تو اب ان دو اُستادوں میں
کس اُستاد کی اصل عبارت بڑے وثوق کے ساتھ پھر بحال کی جاسکتی ہے؟ بیشک
دوسرے اُستاد کی کیونکہ اس طرح آپ ایک دوسرے کی عبارت کا مقابلہ کر کے غلطیوں
کی اصلاح کرنے کے بعد اصل عبارت نکال سکتے ہیں۔ اول صورت میں بیشک آپ
کے پاس تمام نسخے یکساں تو ہیں کیونکہ صرف ایک ہی نسخہ باقی رکھا گیا لیکن ممکن ہے
کہ یہ غلطیوں سے پُر ہو اس لئے آپ کو اس کی تمام نقلوں کی صحت کا اطمینان نہیں
ہوسکتا کیونکہ جن تحریروں سے آپ مقابلہ کر کے درست یا تصدیق کرسکتے تھے وہ
ضائع کر دی گئیں۔

شیخ حسین - ان مہمل اعتراضوں پر اظہار تنفّر کے لئے میری زبان قاصر ہے انسان
کو خدا کے کلام کے صریح مکاشفہ کی ضرورت ہے اور لازم ہے کہ یہ مکاشفہ ایک کتاب
کی صورت میں ہو اور وہ کتاب ہم تک صحیح اور کامل طور پر پہنچی ہو اور یہ تمام شرائط قرآن
ہی میں پُوری ہوتی ہیں۔

حنّا۔ شیخ صاحب آپ کا یہ دعوٰی بلا دلیل ہے۔ میرا اعتراض آپ کے اصول
الہام پر ہے اور میں نے یہ دکھایا ہے کہ یہ ضرورت یعنے خدا کے کلام کا صریح مکاشفہ
اس اصول سے پُوری نہیں ہوتی۔ میں اس ضرورت کے محسوس کرنے میں آپ سے متفق ہوں
اور میں اس خیال کی تائید بھی کرتا ہوں کہ اس مکاشفہ یا کلام کو ازل سے ذات الٰہی میں
موجود ہونا چاہیئے یہ سچّا مطالبہ ہے اور اس اقتضا کی بنیاد رُوح کی حقیقی احتیاج پر
ہے۔ میں صرف یہ دیکھتا ہوں کہ یہ تقاضائے رُوح کسی کتاب کو کامل مکاشفہ الٰہی تسلیم
کر لینے سے پُورا نہیں ہوتا لیکن خدا کا شکر ہو کہ اسلامی علم الٰہیات کا یہ خیال اور اسلام کا یہ
حوصلہ خدا نے پُورا کیا ہے مگر کسی کتاب کے ذریعہ سے نہیں خواہ وہ کتنی ہی الہامی
ہو اور جناب صدر انجمن صاحب کی اجازت سے میں بخوشی اس مجلس کے سامنے چند

اصول الہام پیش کرنے کو تیار ہوں جو انجیل کے مطالعہ سے اخذ کیے گئے ہیں اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیونکر خدا کا مکاشفہ خود اس کی ذات میں ہے اور کس طرح خدا کا کلام ذاتِ الٰہی میں ازل سے تھا اور کامل طور سے آدمیوں پر ظاہر ہوا اور اس مکاشفہ کا تعلق کیونکر الہام سے ہے جو اس کو مداومت بخشتا ہے۔ کیا میرِ مجلس صاحب آپ کی اجازت ہے؟

صدر۔ ہاں۔ اور اثنا تا جو کچھ آپ کو کہنا ہے اُس کے سُننے تک ہم باقی بحث موقوف رکھینگے۔ فی الحال جلسہ برخاست۔

تیسرا مکالمہ

الہامِ انجیل

صدر۔ معزز حاضرین۔ میں اس دار المناظرہ میں آپ جملہ صاحبان کو خوش آمدید کہتا ہُوا بسم اللہ کہکر آج انجمن کے جلسے کا افتتاح کرتا ہوں۔ گذشتہ بحث میں ہم جس دلچسپ خیال تک پہنچے ہیں اس سے آپ واقف ہیں۔ کوہین آفندی نے پہلے وہ طریقِ الہام بیان کیا جو مطالعہ توریت پر مبنی تھا۔ اور اپنے خیالات ہمارے سامنے پیش کئے۔ اور فی الحقیقت آپ کے خیالات ہمارے لئے بالکل نئے تھے۔ تب شیخ حسین نے الہام کے اُس اصول کی تشریح کی جو قرآن شریف اور ان احادیث سے ظاہر ہیں جن کو اس مضمون سے کچھ تعلق ہے۔ اور تب ہم نے دیکھا کہ یہ قرآنی اصول الہام کوہین آفندی کے پیش کردہ اصول کے بالکل برعکس ہے۔ اور اگرچہ ہم کو

اس سے انکار نہیں ہے کہ خدا کسی ایک خاص طریق یا اصول کی پابندی میں نہیں ہے تو بھی تمام مسلمان اراکین نے جب میر دو پیش کردہ طریق کا مقابلہ کیا تو نہایت صفائی سے دیکھ لیا کہ قرآن کا الہام نہ صرف اعلےٰ ہے بلکہ اعلےٰ سے اعلےٰ طریق الہام جو تصور میں آسکتا ہے وہ یہی ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں توریت کے الہام کو زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب سے ادنےٰ قسم کا الہام ہے۔ لیکن اس موقعہ پر چند مسیحی شرکاء نے اپنے خیالات پیش کئے اور یہ دعویٰ کیا کہ اس ظاہری پر زور اسلامی اصول الہام کے اندر نقص بھی ہیں۔ اور بتایا کہ انجیل کا مطالعہ نہ صرف کومین آفندی کے خیالات کی تائید کرتا ہے بلکہ ظاہر کرتا ہے کہ انجیل میں الہام سب سے اعلےٰ فوقیت پر پہنچا ہے۔ یہ دعویٰ بہت بڑا ہے اور اسے ہم آسانی سے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن حنا آفندی کی تقریر یہ جو آپ اپنے دعوے کی تائید میں پیش کریں گے ہم غور اور انصاف کے ساتھ سنیں گے۔

حنا۔ جناب میر مجلس صاحب اور اراکین انجمن نے جس اخلاق کے ساتھ مجھے اپنے خیالات پیش کرنے کو مدعو کیا ہے میں اس کا نہایت شکرگزار ہوں۔ اور میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ جو خیالات نہایت صفائی کے ساتھ مجھے سچے معلوم ہوتے ہیں انہیں پیش کروں۔ لہٰذا علم حکمت کے اصول کے مطابق جس کی پیروی کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے۔ اول ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ ہمارے سامنے کون سی حقیقتیں ہیں اور دوم یہ کہ کن خیالات کے ذریعہ سے ان حقیقتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم پہلے ان مظاہر پر غور کریں جو ان تحریروں سے آشکارا ہیں۔ اور پھر ان مظاہر پر الہام کا اصول قائم کریں۔ اور جب تک میں یہ ظاہر نہ کر لوں تب تک مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ میں یہ دعویٰ کروں کہ انجیل میں الہام سب سے اعلےٰ درجہ پر پہنچتا ہے۔

جب ہم انجیل پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو جس طرح کوہین آفندی نے توریت کے متعلق بتایا ہے اسی طرح اس کے متعلق بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں بہتیرے حصے یا کتابیں ہیں۔ اور یہ کتابیں مختلف مصنفوں کی تصنیف ہیں اور ان کا طرز عبادت بہت مختلف ہے۔ اور توریت کی کتابوں کی طرح یہاں بھی کچھ تواریخی کتابیں ملتی ہیں۔ ان میں سے چار ہمارے منجی کی زمینی زندگی کے متعلق ہیں جو متی مرقس۔ لوقا اور یوحنا کی تحریر کہلاتی ہیں اور ایک میں اس جماعت یا کلیسیا کا بیان ہے جو مسیح نے اپنے صعود پر قائم کی۔ باقی کتابیں ایک کے سوا اپنی طرز میں توریت کی کتابوں سے بالکل مختلف ہیں۔ کیونکہ یہ رسولوں کے خطوط ہیں جو انہوں نے مسیحی کلیسیا کی مختلف شاخوں کو مسیحی الٰہیات اور مسیحی اخلاق کی نسبت ...... تحریر کئے۔ صرف انجیل کی آخری کتاب توریت کی نبوتوں سے خاصکر دانیل نبی کی کتاب سے ملتی ہے۔ ان تمام کتابوں کا مجموعہ مسیحی کتاب کہلاتا ہے جسے مسیحی عہد جدید کہتے ہیں اور یہ عموماً مسلمانوں میں انجیل کے نام سے مشہور ہے لیکن اس میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ لفظ "انجیل" یونانی ہے اور ابتدا اس لفظ کا استعمال خود مسیح کے پیغام کے لئے ہوتا تھا لیکن بعد میں اس کتاب کے لئے یہ مستعمل ہونے لگا جس میں یہ پیغام درج ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن باعتبار اپنی وضع کے سوائے قلیل استثنا کے خدا کا پیغمبر سے خطاب ہے اور توریت کے متعلق ہم دیکھ چکے ہیں کہ بہت سے حصے اس کے اس قسم کے نہیں ہیں لیکن اس کے چند حصے انسان کا خدا سے خطاب ہے اور باقی حصے مقدس تواریخ کے واقعات کے بیان ہیں۔ ان کو الہامی کہنا میرے مسلمان احباب کے لئے نہایت حیرت انگیز خیال ہے اور کوہین آفندی کو یہ بتانے میں بڑی دقت پیش آئی کہ ان کو بھی کسی معنی میں الہامی کہہ سکتے ہیں۔ اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انجیل بھی توریت

سے بھی کم خدا کا خطاب پیغمبر یا پیغمبروں سے ہے۔ یوحنا کے مکاشفہ کے علاوہ ایک بھی کتاب انجیل میں نہیں ہے جس کا یہ دعویٰ ہو کہ اس کے مصنف پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے یا اس کے مصنف کو خدا نے لکھنے کے لئے مامور کیا تھا۔ مقدس پولوس کے خطوط کی مانند چند کتابوں میں مصنف نے بیشک صفائی سے الٰہی ہدایت کے زیرِ اثر ہو کر لکھنے کا دعویٰ کیا ہے لیکن دیگر کتابوں میں جن میں چند نہایت ضروری کتابیں شامل ہیں مصنف نے کہیں ایسا دعویٰ نہیں کیا ہے اور ایسا معلوم پڑتا ہے کہ ان کے مصنفوں نے یونہی یا اپنی مرضی سے حسب موقع ان کو تحریر کیا ہے۔ چند مُسلم ارا کین۔ (اپنے خیالات کو اس موقع پر ضبط نہ کر کے) ..... آپ نے خود اپنا فیصلہ کر دیا ..... خود آپ کے بیان سے ظاہر ہے کہ آپ کی کتاب انسان کی بنائی ہوئی ہے خدا کی طرف سے نہیں ہے ..... یہ بالکل الہامی نہیں ہے۔

حنّا۔ جناب میر مجلس صاحب یہ مداخلت بالکل صریح الفہم اور واجب الرعایت ہے کیونکہ مجھے اپنا بیان اس بعید القیاس صورت میں پیش کر کے سامعین میں دلچسپی اور خیالات کی بیداری پیدا کرنا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ خیالات مذکورہ مسلمانوں کے لئے باعثِ حیرت ہیں اور اگرچہ ہرگز میں یہ تسلیم نہیں کرتا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ الہام کے سچے خیال کے بالکل متضاد ہے لیکن میں یہ پورے طور پر مانتا ہوں کہ انجیل جیسی کتاب جس الہام کا دعویٰ کرتی ہے وہ اُس الہام سے جس کا دعویٰ قرآن کے لئے کیا جاتا ہے لازم ہے کہ بالکل مختلف ہو۔

شیخ صاحب۔ جناب۔ ادنیٰ سے ادنیٰ قسم۔ کے الہام کا جو تصور میرے ذہن میں آسکتا ہے اُس سے آپ کا یہ خیال اعلیٰ نہیں ہو سکتا۔

حنّا۔ ہم دیکھینگے کہ یہ کہاں تک درست ہے۔ انجیل کی کتب مذکورہ پہلی صدی مسیحی کے مختلف زمانوں میں لکھی گئیں۔ سب سے آخری کتاب غالباً مقدس یوحنا کی تحریر ہے

جو سنہ ۱۰۰ء کے قریب یا تقریباً مسیح کی موت کے ستر برس بعد لکھی گئی۔ ان کتابوں کی تحریر اور تصنیف کا ثبوت کچھ تو خارجی اور کچھ اندرونی طریقے سے ملتا ہے۔ اور ان کے ترتیب پانے اور قانونی ٹھہرائے جانے کی تواریخ سے ہم بخوبی آگاہ ہیں۔ اور اگرچہ اس کا بیان دلچسپ ہے تو بھی فی الحال اس کے بیان کی گنجائش نہیں ہے اور نہ میں ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس مضمون پر اس مجلس کے چار اراکین کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی وہ ایک رسالہ کی شکل میں جس کا نام "ہجرت سے قبل کیا ہوا" ہے چھپ چکی ہے۔ اس کے متعلق میں صرف تین باتیں پیش کرنے پر قناعت کرونگا۔

(۱) اس رسالہ مذکورہ کی اس دلیل کا جواب کسی نے آج تک نہیں دیا۔ کہ مسیح اور محمد صاحب کے درمیان کی چھ صدیوں کے دوران میں اس موجودہ انجیل کے سوا جو عہد جدید کہلاتی ہے کوئی اور مسیحی کتاب الہامی نہیں مانی جاتی تھی۔

(۲) کسی اور کتاب کی موجودگی کا کہ جو الہامی انجیل مانی جاتی تھی یا کسی ایسی کتاب کا جو ۶۲۲ء کے بعد گم ہوگئی ہے ذرا بھی ثبوت بہم پہنچانے کا چیلنج کسی نے بھی منظور نہیں کیا۔

(۳) اس لئے یہ موجودہ انجیل ہی حقیقی انجیل ہے۔

میں یہاں صرف اتنا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ جس اصول پر کلیسیا نے بعض کتابیں منظور اور بعض رد کیں وہ یہ ہے کہ کیا یہ کتابیں وہی ہیں جنہیں رسولوں نے خود لکھا یا اپنے زیر نگرانی لکھوایا۔ اور جس قدر خدا کا ہاتھ ان کے تصنیف میں الہام کے صحیح خیال کا ایک ضروری جزو ہے اُسی قدر ان کے انتخاب میں بھی خدا کے ہاتھ کا ہونا ضروری ہے۔ کوہین آفندی نے جو کچھ اس کے متعلق توریت پر کہا ہے یاد کیجیئے میں اب ان مقدمات سے نتائج نکالنے میں دوبارہ ان کو نہیں دہراؤنگا میں صرف چند باتیں یاد دلاؤنگا کہ جو گذشتہ بحث میں واضح ہوگئی ہیں اور جو انجیل کے مظاہر کی روشنی میں اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہیں۔

(۱) یہ مان لینا کہ انجیل ایک ایسی کتاب ہے جو مسیح سے قدیم ہے اور یہ مسیح اور اُس کے

رسولوں پر نازل ہوئی ہے نہ صرف غیر ضروری بلکہ فضول اور خطرناک ہے۔ صرف خود نبیوں کو مختلف صورتوں اور طریقوں میں الہامی ہونا مان لینا کافی ہے اور یوں نفس مطلب کا الہامی ہونا خود اس سے آپ ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۴) انسان پر الٰہی مکاشفہ کو ایسا محدود سمجھنا کہ کتاب کے اندر جمع ہو سکے نہ صرف غیر ضروری بلکہ خدا کی شان کے لائق بھی نہیں ہے۔ ہم الہام میں الٰہی کفایت پر غور کر چکے ہیں۔ اور یوں جہاں کہیں مضمون الہام محدود تھا وہاں صرف بلا تمثیل کے طور پر اور ضرورت کے لحاظ سے وہ بات لکھدی گئی جو نہایت ضروری تھی اور خدا نے اس بات کی نگہداشت کی کہ جو ادنیٰ بات بھی ضروری ہے وہ ضرور تحریر میں آجائے۔

(۵) اس لئے انجیل کے حروف پر اس کے معنے کے علاوہ بہت زور دینا مثلاً یہ خیال کرنا کہ اگر خدا کے مکاشفے سے کوئی فقرہ تلف ہو جائے تو ایک لا علاج طور پر مکاشفہ ادھورا ہو جاتا ہے اس قسم کا خیال نہ صرف بالکل غیر ضروری بلکہ فضول اور خطرناک ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کوئی کتاب حتیٰ کہ خود قرآن بھی نقص زیادتی اور تبدیلی سے بری نہیں ہے۔ علاوہ ازیں انجیل کے اس قدر نسخے ہیں کہ ان کا آپس میں مقابلہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سے الفاظ یا فقرے انجیل میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کو اصل انجیل سے خارج سمجھنا چاہیئے اور کونسی باتیں اتفاقاً اصل عبارت سے چھوٹ گئی ہیں۔ اس لئے یہ اختلافات بحیثیت مجموعی اور جس سچائی کے ساتھ ظاہر کئے گئے ہیں ان سے ان تمام نسخوں کی اُن باتوں پر جو یکساں ہیں ہمارا یقین زیادہ ہوتا ہے۔ ان تینوں باتوں کو میں نے صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ ہماری یاد ان کے بارے میں تازہ ہو جائے اور اب میں سب سے بڑے سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو مسیحی الہام کی ایک خاص علامت ہے۔

کلام مجسّم ہُوا

ہم نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں کا یہ اقتضا ہے کہ عین خدا کی ذات میں مکاشفہ کا ایک

ازلی اصول یا مظہر یا کلام کی ہستی موجود ہو۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اسلامی قالب کا یہ حوصلہ کسی کتاب
یا کتاب کے نفس مطلب کو الٰہی ذات کی صفت قرار دینے سے پورا نہیں ہوتا کیونکہ ایسی
کتاب کی بہتیری باتیں صرف اتفاقیہ واقعات سے تعلق رکھتی ہیں لیکن خدا کا شکر ہو کہ مسیحی
عقیدہ اس اسلامی تمنا کو پورا کرتا ہے۔ کیونکہ ہم پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ خاص ذاتِ الٰہی میں
ایک اصول انکشاف یا ذاتِ الٰہی کا مظہر یا ایک کلام موجود ہے جو ازل سے خدا کے ساتھ
تھا۔ خدا اور اس کے کلام اور اس کے روح کے اندرونی تعلقات کا صحیح تصور ناممکن ہے
انسانی قیاس اس تک پہنچنے سے عاجز ہے۔ انسانی الفاظ سے جتنے صحیح تصورات کا ہونا
ممکن ہے اُتنے ہی فاسد تصورات کا بھی امکان ہے اور اسی لئے انجیل اس معاملہ کی تشریح
نہیں کرتی۔ اور صرف غور اور تعظیم کے ساتھ مطالعہ کرنے پر ہم سیکھتے ہیں کہ خدا باپ اور اس
کا کلام اور اس کا روح واحد خدا ہے لیکن ہر ایک ممکن التمیز۔ ممکن التمیز لیکن واحد۔ ایک ذات
لیکن تین اقانیم میں ازل سے ظاہر۔ خدا کائنات سے بالکل جُدا و منزہ نہیں ہے اگر وہ بالکل
جُدا ہوتا تو ہمارے لئے اُس کا علم اور اس کا فہم ناممکن ہوتا۔ وہ صرف چند حرفوں کا ایک نام
ہی نام ہمارے لئے رہ جاتا اور اس کا کوئی پیغام ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ پیغام
نسبت یا تعلق پر منحصر ہے۔ اس لئے کسی نہ کسی معنی میں اُس کو کائنات سے علاقہ یا نسبت
ہے اور اُس نے اپنے اس کلام کی روشنی کے ذریعہ سے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے جس کلام
کی بابت لکھا ہے کہ "دُنیا اس کے وسیلہ سے پیدا ہوئی" اور یہ کہ "اس میں نُور تھا" اور یہ کہ "حقیقی
نُور جو ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے" وہ تھا اور وہ ہمیشہ "دنیا میں تھا" اور "دنیا نے اُسے نہ پہچانا"
اور آخر کار "وہ اپنے گھر آیا" اور "مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا"
اور اُس کا رسول یوحنا بتاتا ہے کہ "ہم نے اس کا جلال دیکھا جیسے باپ کے اکلوتے بیٹے کا
جلال"۔ اس لئے وہ انسان کے لئے خدا کا کامل مکاشفہ ہے اور اُسے ضرور یہی ہونا بھی
چاہیئے یہ خدا کا آخری کلام ہے اور یہ سارے مکاشفہ اور الہام سے بالاتر ہے۔ تمام

مکاشفے اس کی بابت بتاتے آئے اور اس کے مقابلہ میں تمام مکاشفے ناقص اور ناتمام ہیں اور اس میں مکاشفہ کامل ہوکر پورا ہوتا اور ختم ہوتا ہے۔ اس لئے لکھا ہے "اگلے زمانہ میں خدا نے ہمارے باپ دادا سے وقتاً فوقتاً طرح طرح سے نبیوں کی معرفت کلام کر کے اس زمانے کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا جسے اس نے ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلے سے اس نے عالم بھی پیدا کئے وہ اس کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش ہے" یوں یہ خدا کا مکاشفہ ہے یہ کلام ہے جو نازل ہوا لیکن اب یہ کوئی کلام نہیں بلکہ ایک زندہ شخص ایک مقدس زندگی ایا دوسرے الفاظ میں انسان کے لئے خدا کی مرضی اور لوگوں کے لئے خدا کا اپنا اظہار ویدنی طور پر اس انسانی زندگی میں مجسم ہو کر کچھ عرصہ کے لئے ہمارے درمیان رہا۔ اور اب کسی تفصیلی شریعت۔ احکام۔ اور ممنوعات اور ناسخ و منسوخ کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ ساری باتیں اس جملہ میں ہیں کہ "یسوع کلام مجسم کی طرح بنو"۔

اب ہم پر اس کتاب کی حیثیت ظاہر ہے۔ اس کی جو حیثیت ہے وہ ضروری ہے لیکن اس کی حیثیت اب دوسرے درجے پر ہے۔ اس کتاب کا مقصد اس ملہم زندگی کا دائمی خاکہ الفاظ کے ذریعہ سے کھینچکر پیش کرنا ہے۔ کوئی نئی بات پیش کرنا نہیں بلکہ اس ملہم کے اقوال اور افعال کو اس طرح آنے والی نسلوں کے لئے تحریر کرنا کہ اس کی شخصیت اور اس کی تعلیم کا نفس مطلب اور اس کا نجات بخش کام اس آسمانی زندگی کے عینی شاہدوں اور دیگر تمام لوگوں کے لئے یکساں ہوں اور اس طرح بغیر کسی کذب یا مغالطہ آمیز وہموں اور افسانوں کے اس پہ نظر کر کے اس کے وسیلے سے خدا کو پہچانیں اور نجات پائیں۔

اور یہاں ہم تحریری بیان میں الٰہی کفایت کی ضرورت بھی دیکھتے ہیں جس کا بیان میں بیشتر کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ الٰہی مکاشفے کی تمام مقدار کا کسی کتابی صورت میں جمع ہونا ناممکن ہے کیونکہ مسیح جب کلمتہ اللہ ہے تو اس کے تمام افعال اور اس کے تمام اقوال الہامی ہیں اور اس کے وہ افعال اور خیالات بھی جو اس نے ظاہر نہیں کئے

وہ بھی الہامی ہیں۔ یہاں اس کے اور اس دعوے کے درمیان جو محمد صاحب کے لئے کیا جاتا ہے ایک نمایاں فرق دیکھتے ہیں۔ محمد صاحب کے لئے اوقات وحی کا دعویٰ کیا جاتا ہے لیکن مسیح کے لئے کوئی خاص اوقات نہیں تھے بلکہ اُس کی پوری زندگی الہام کی ایک طویل مدت تھی۔ اور اب جس کتاب میں اُس کی پوری زندگی تحریر کی جائے اُس میں اس کا ہر قول و فعل درج ہونا چاہئے اور یہ ناممکن ہے۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ ملہم شخص کے مقابلہ میں الہامی کتاب کا مرتبہ دوسرا کیوں ہے۔ کتاب کے بیانات کافی ہیں اور بس۔ کتاب انجام نہیں بلکہ صرف ایک وسیلہ ہے جس کے ذریعے ہم کلام مجسم تک پہنچتے ہیں اور صرف اُس کلام میں خدا کا علم اور نجات ہے۔ ہم زیادہ گہرائی کے ساتھ اُن الفاظ پر غور نہیں کر سکتے جو یہ بات نہایت صفائی سے بتاتے ہیں۔ اور یہ الفاظ وہ ہیں جن پہ اُس مقدس زندگی کے حالات ختم ہوتے ہیں "۔ اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے۔ اگر وہ جُدا جُدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں اُن کے لئے دُنیا میں گنجائش نہ ہوتی "۔ کیا یہ اور بہت سے کام مکاشفے کا جزو نہیں ہیں؟ کیا وہ الہامی نہیں ہیں؟ ہاں۔ لیکن خدا نے کافی ہم پر ظاہر کیا ہے۔ ہمیں عالم فضا میں مثل عالم قدرت کے ایک نقطۂ نگاہ سے الٰہی افزائش اور دوسرے نقطۂ نگاہ سے الٰہی کفایت نظر آتی ہے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ انجیل حدیث کی صورت میں ہے۔ انجیل کلام مجسم کے نہ صرف قول بلکہ فعل کا بھی بیان ہے اور یہ اس لئے کہ لوگ اپنے افعال کے ذریعہ سے بھی کلام کرتے ہیں مسیح کے قول سے زیادہ اُس کا نجات بخش کام اُس کی ذات اور اُس کے فعل میں ہے نجات کا کام ان اذیتوں کے ذریعہ سے پُورا ہوا جن میں الفاظ کو بہت کم گنجایش تھی۔ انجیل کی خوشخبری کا نچوڑ یہ نہیں ہے کہ مسیح نے بتایا کہ خدا نے ہم سے محبت کی بلکہ یہ کہ خدا کا مجسم کلام ہمارے لئے مرا اور یوں ظاہر کیا کہ وہ محبت کیا تھی۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ کہنا کس قدر غلط ہے کہ انجیل یا اور کوئی کتاب مسیح پر نازل ہوئی۔ وہ خود کلام تھا۔ یہ نہیں کہ کلام اُس کے پاس تھا۔ وہ خود خدا کا مکاشفہ تھا نہ یہ کہ اُسے کوئی مکاشفہ ملا یا اُس نے کوئی رویا دیکھی۔

بس یُوں تحریری الفاظ کا مقصد کلام مجسم کے الٰہی افعال کو بیان کرنا ہے تو پھر انجیل کے دوسرے حصوں یعنی خطوط اور دیگر تحریروں کا کیا مطلب ہے؟ انجیل کا یہ دُوسرا حصہ مسیح کے صعود کے بعد اُس کے شاگردوں کے کام اور تعلیم سے تعلق رکھتا ہے لیکن جو کچھ وہ کرتے یا کہتے ہیں وہ روح القدس کی طاقت کی بھرپُوری سے کرتے ہیں جو مسیح کے صعود کے بعد پُوری معموری کے ساتھ ان پر نازل ہُوا تھا اور اِس لیے یہ رُوح پاک نہ صرف خدا کا رُوح کہلاتا ہے بلکہ مسیح کا بھی۔ یعنی وہ رُوح جس نے مجسم کلام کی زندگی کو اُس کے جسمانی دنوں میں تازہ کر رکھا تھا اور یُوں انجیل کا یہ دوسرا حصہ ایک دوسرے معنے میں کلام مجسم کے قول و فعل کا تواریخی بیان ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے حصہ میں اُن باتوں کا بیان ہے جو اُس نے اپنی دُنیاوی زندگی میں کیں اور دوسرا حصہ اُن باتوں سے تعلق رکھتا ہے جو اُس نے رُوح کے وسیلے اپنے شاگردوں کی زندگی کے ذریعہ سے اپنے آسمانی صعود کے بعد کیں۔ مسیح کی زندگی کے تحریری حالات کیوں اُس کے صعود کے بعد ختم نہیں ہو جاتے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صعود سے پیشتر کا الٰہی کام کا زمانہ تھا اور صعود ان کاموں میں اُس کا آخری فعل تھا۔ اب ان کاموں کی تشریح صعود کے بعد روح کی تعلیم اور الہام کے ذریعہ سے خود مسیح کے ان الفاظ کے مطابق ہونا لازم تھا جو اُس نے کفارہ سے پیشتر فرمائے تھے کہ "رُوح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا وہی تمہیں سب باتیں سکھائیگا۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائیگا" "مجھے تم سے اَور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئیگا تو تم کو تمام سچائی

کی راہ دکھائیگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔ وہ میرا جلال ظاہر کریگا اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کرکے تمہیں خبریں دیگا"۔ پس اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پولوس اور پطرس اور یعقوب اور یوحنا اور دیگر رسولوں کے قول و فعل اس مکاشفے کا ایک جزو ہیں جو خدا نے مسیح میں ظاہر کیا اور ان سے تجسم و کفارہ۔ اس کی قیامت اور صعود اور کل کام جو اس نے نوع انسان کی نجات کے لئے کیا ان تمام کی تشریح و توضیح ہوتی ہے اور یہ کتاب انجیل یعنی عہد جدید ان تمام کاموں کا اور ان کے معنی کی تشریح کا خلاصہ ہے کسی اور کتاب میں ان میں سے ایک بات بھی آپ کو نہیں ملیگی۔ اور اس لئے یہ کتاب حقیقی معنی میں خدا کا کلام ہے۔ لیکن یہ کتاب خود عام معنی میں خدا کا مکاشفہ نہیں ہے بلکہ اس مکاشفہ کا جو مسیح ہے صرف ایک بتانے والا نشان۔ جب مسیح دنیا میں تھا اور اس کے عینی شاہد زندہ تھے تو کتاب بحیثیت کتاب کے موجود نہیں تھی بلکہ صرف اس وقت جب وہ پشت عنقریب گذر جانے کو تھی تو خدا نے آنے والی نسل کی خاطر مقدس نویسندوں کو ان کے حافظہ کی باتوں اور تعلیموں کو لکھنے کی تحریک دی۔ کیا اس سے زیادہ صاف اور کوئی بات ہو سکتی ہے؟ گویا خدا کہہ رہا ہے کہ "اب کوئی کتاب بحیثیت کتاب کے لوگوں کے لئے میرا آخری پیغام نہ ہوگی کیونکہ اب اور ہمیشہ کے لئے **ایک الٰہی انسانی زندگی** انسان کے لئے میرا آخری کلام ہے"۔

اور یہی وجہ ہے کہ انجیل کی عبارت کی تحقیق ہمیشہ کی جا سکتی ہے۔ علما تعظیم صحت اور سچائی پسند طبیعت کے ساتھ اس کے انسانی پہلو اور اس کی مختلف تصانیف کی تاریخ اور مصنف کے احوال اور اصل عبارت وغیرہ کی تحقیق کرتے ہیں اور اپنی تحقیق کا نتیجہ جو کچھ وہ پیش کرتے ہیں ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ان تحقیقات کے ذریعہ سے اس الٰہی انسانی زندگی کا جلال زیادہ ظاہر ہوتا ہے جس پر ہمارا ایمان ہے اور جو خدا کو ہم پر ظاہر کرتی ہے اور جس میں ہماری نجات ہے۔

اب میں اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔ ہمارے مسلمان احباب اب سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں ہمارے لئے مسیح کے بعد کسی مکاشفہ یا کتاب یا نبی کو قبول کرنا ناممکن ہے کلام مجسم ہُوا تو پھر ہمیں کلمات کی کیا ضرورت رہی؟ خدا نے نبیوں کی معرفت ہمارے باپ دادا سے کلام کرنے کے بعد آخر کار ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا ہے تو پھر ہمیں کسی نبی کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ناممکن ہے۔ جب آپ کسی پہاڑ کی انتہائی چوٹی پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر آگے چلنا یا آگے بڑھنا نہیں ہے بلکہ اُلٹا لوٹنا ہے یعنی نیچے اُترنا ہے۔ اب میں اپنی اس تقریر کے خاتمہ پر اپنے مسلمان دوستوں کو خوشی کے ساتھ بلاتا ہوں کہ خدا کے مکاشفہ کی اس انتہائی چوٹی پر جو عیسیٰ خدا کا کلام ہے اور جو خود خدا کی طرح ازلی ہے اور جو ان آخری دنوں میں ہمارے لئے مجسّم ہُوا ہمارے ساتھ شامل ہوں۔ اور دوسری باتیں چھوڑ کر خود اُس کے کہنے کے مطابق اس میں نور زندگی اور نجات حاصل کریں جیسا اُس نے خود کہا ہے کہ راہ حق اور زندگی میں ہوں۔ میرے بغیر کوئی باپ کے پاس نہیں پہنچتا۔

(حنا خاموشی کے درمیان بیٹھ جاتا ہے)